اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لدعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔۔ ۲

فون نمبر رسالۃ الحق ۲۰

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۹

شمارہ نمبر : ۳

جنوری ۱۹۷۴ء

ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک :- پاکستان میں سالانہ دس روپے ۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۔ غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

پاکستان کے مرکزی شہر کراچی میں "ڈان آف اسلام" فلم کا اردو ترجمہ "فجر اسلام" سے دکھایا جا رہا ہے جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہدِ رسالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور کچھ بزعم خویش "دانشور" اس کے مطابق اسلام ہونے کا فتویٰ بھی دے رہے ہیں۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے۔ مسلمانوں کی غیرت، حمیت کا جنازہ اٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم کیا جائے، تو کم ہے۔

کہ اس طرح شرمناک جسارت کو ایک اسلامی ملک میں کس طرح گوارا کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کی غیرت اب اتنی سرد ہو چکی ہے۔ کہ آقائے دو جہاں سرورِ کائنات علیہ السلام اور ان کے مقدس رفقاء صحابہ کرام اور اہل بیت کی عصمت اور ناموس کی اس طرح کھلے بندوں تضحیک و توہین پر بھی انہیں جھنجھوڑنا پڑے گا۔

آج سے چند سال قبل انگریز کے عہد نامسعود میں حضرت مسیح کے نام پر کوئی فلم جس غیور و جسور قوم کے افراد کو گوارا نہ ہو سکی۔ آج وہ قوم فحاشی اور بے حیائی کے ان فلمی پردوں پر عہد رسالت کے نقشے دیکھنے پر بھی خاموش ہے۔ بے حیا یافتہ انگریز "شرافتہ" ننگی عورتوں اور مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اس فلم کے حامی کہہ رہے ہیں کہ کسی مقدس شخصیت کا سراپا تک بھی فلم میں نہیں آنے دیا گیا۔

مگر عہد رسالت کے دو جان نثار صحابہ کرام اور اہل بیت کے علاوہ اور کون تھے جو کفر اور باطل سے برسر پیکار رہتے۔ اور کفر کے ناقابل تسخیر [illegible] اٹھاتے۔ کیا عہد رسالت کو ہم حضور نبی کریم صحابہ اور اہل بیت سے الگ کر کے اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

فلمی دنیا تماش بینی اور تفریح کی دنیا ہے۔ اس کے بنانے والے نقال بھی ہوتے ہیں اور سوانگ رچانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا حضور کی ذات پاک بھی اب بہروپیوں اور سوانگ بھرنے والوں کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہے گی۔ بیشک اس سے بڑھ کر دین اور اقدار دین سے تلاعب اور تمسخر نہیں ہو سکتا! حضور اور عہد صحابہ کو کھیل تماشہ بنانے والوں کے بارہ میں قرآن نے کہا تھا۔ ولئن سالتہم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزءون۔ کیا تم نے اللہ اس کی آیات اور اس کے رسول کو کھیل تماشے کی چیز بنا لیا ہے؟

جس ذات پاک کی عظمت و تقدیس کے ترانے قرآن نے گائے۔ جس ذات قدسی صفات کی

عظمت وشان خوانی کے زمزموں سے قرآن لبریز ہے۔ اور جس ذات پاک نے اپنے رفقاء اور صحابہ کو نشانۂ تضحیک وتلاعب بنانے والوں کو سخت سے سخت وعیدیں سنائیں۔ اور کہا کہ جس نے انہیں نشانہ (غرضاً) بنایا اور اذیت دی۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ، جس ذات کے اہل بیت کی تطہیر اور تقدیس قرآن نے فرمائی۔ آج وہی ذات اور وہی جماعت ہماری عیش پرست طبیعتوں کے ہاتھوں فلمی پردوں کی "زینت" بنائی جارہی ہے۔

محمد عربی کے نام نہاد نام لیواؤ ۔۔۔! آج تم نے چند خود باختہ نام نہاد مسلمان ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی یہ حرکت ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لی۔ جو کہ مسلمان نہیں بلکہ ملت کے اجماعی عقیدہ کی بنا پر قطعی مرتد اور واجب القتل ہیں۔ تو کیا کل صرف یورپ اور امریکہ شیلر کے روپ میں اپنی مقدس ماؤں حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ کے بہروپ کو برداشت نہیں کروگے۔؟ اور کیا تم اب بنی عربی آقائے دوعالم علیہ السلام اور ان کے صحابہ ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے کردار اور پاکیزہ زندگی کو بھی ہالی وڈ کی غلاظتوں سے الگ رہ کر نہیں پا سکتے ہو۔؟ جو لوگ آج ایسی فلموں کی نمائش پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ اسکی وکالت بھی کر رہے ہیں۔ اگر ان کے اخلاق اور غیرت کا جنازہ بالکل نہیں اٹھا اور آنکھوں میں کچھ بھی نمی باقی ہے۔ تو خدارا وہ سوچ کر بتائیں کہ کیا انہیں اپنی ماؤں بہنوں اور اپنے باپ دادا کا ایسا کوئی سوانگ رچانا گوارا ہو سکتا ہے۔؟ اگر نہیں تو عالم انسانیت کی آبرو کائنات کی جان مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر رحیم و شفیق باپ حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کرام اہل بیت کی تقدیس اس طرح برسرعام پامال ہونے پر وہ کیوں ٹس سے مس نہیں ہوتے ہیں۔

ہمیں موجودہ حکومت کے رویہ سے نہ صرف شکایت ہے۔ بلکہ ہم شدید احتجاج بھی کرتے ہیں۔ کہ جب قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے معتمد علماء نے اس مسئلہ کو اٹھانا چاہا تو حکومت کی طرف سے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ اسے ٹالا گیا۔ اور اس فلم کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تحریک التواء کا سوال زیر بحث آنے پر محترم وزیر قانون نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر خواہش ہو تو یہ فلم ارکان اسمبلی کو بھی دکھا دی جائے گی۔ اور اگر انہیں اعتراض ہوا تو تب اس بارہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔

کیا ایسی قطعی اور صریح غیر اسلامی باتوں پر بھی اب اسمبلی کی اکثریت سے استصواب کرایا جائے گا۔۔۔ یہ حالات اور قوم کی یہ بے حسی قیامت کبریٰ کی علامت تو ہے ہی مگر اس سے پہلے ہماری قومی زندگی کے لئے بھی بہت بڑی قیامت کی غمازی کرتی ہے۔

★

ثقافت، آرٹ اور کلچر کے نام پر ملک کو فحاشی اور بے حیائی کے جس جہنم کے کنارے پہنچا دیا گیا ہے ۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ۔ ادھر ہم اسلام کے دعویدار ہیں اور "اسلامی انقلاب" کا تہیہ کرنے کے مژدے سنا رہے ہیں ۔ ادھر قوم کے اخلاقی زوال کا رونا بھی رویا جاتا ہے ۔ بھارت ٹی وی براڈ کاسٹر کے ٹیلی ویژن کی یلغار کا بھی خوب ماتم کیا جا رہا ہے ۔ اخلاقی جرائم کا دور دورہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ اخلاقی قدروں کی پامالی اور بربادی کا مرثیہ بھی ہوتا رہتا ہے ۔ مگر جب عمل تو بڑی بات ارادۂ عمل کیلئے بھی کوئی آواز اٹھاتا ہے تو "نفاق" کی عجیب شرمناک اور گھناؤنی تصویر اپنے سے پردۂ حقیقت سرکا کر قوم کے سامنے آجاتی ہے ۔

یہی مظاہرہ قومی اسمبلی میں ثقافت کے نام پر فحاشی سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی قرارداد زیر بحث آجانے کے موقعہ پر ہوا جس کی تفصیل شریک اشاعت ہے ۔ قرارداد تو مسترد ہونی ہی تھی کہ اکثریت کے ہاتھوں مٹھی بھر اہل حق بے بس تھے ۔ گو اتمام حجت اور کلمۂ حق کی بلندی کا فریضہ ادا ہو ہی جائے ۔ مگر قرارداد کی مخالفت کے دوران کھل کر ثقافت کی وہ کونسی عجیب و غریب تعبیر و تفسیر نہ تھی جو قوم کے روشن خیال ماڈرن ارکان نے نہ کی ہو ۔ رقص و سرود، گانا، بھنگڑا! ! لہٰذا ثقافتی طائفے تو خیر ایسی خرافات ہیں کہ اس لفظ ثقافت کا لازمہ بن چکی ہیں ۔ مگر اب کے سرکاری مقررین کے خیالات سنکر حیرت ہوئی کہ نعوذ باللہ اسلام کی تاریخ عہد صحابہؓ اور خلفاء راشدین کی ساری عمارت ہی ناچ گانے اور ایسی خرافات اور منکرات کی اینٹوں پر قائم ہے ۔ العیاذ باللہ ۔

یہ انداز فکر اور اسلام کے بارہ میں یہ منافقانہ روش اب تو ہمارا قومی شعار ہی بن چکا ہے ۔ پچھلے ۲۶ سال اسی منافقت اور عیاری کی نظر ہو چکے ہیں ۔ مگر اب تو اس دور کا نقطۂ عروج معلوم ہوتا ہے ۔ اور عروج کے بعد زوال قدرت کا اٹل قانون ہے ۔ جو لوگ طاؤس و رباب اول طاؤس و رباب آخر ۔ اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے فلسفہ پر نہ صرف گامزن بلکہ اس کے داعی ہیں ۔ اور جو تہذیبی اقدار کو طوائف کے کوٹھے میں محدود سمجھ کر قوم کو وہاں سے ہی کچھ سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ انہیں قدرت کی تعزیروں سے ڈرنا چاہیئے ۔ اور حالات سے سبق بھی ۔ سودی نظام کے بعد فحاشی سے متعلق قومی اسمبلی کے ہاتھوں قرارداد کا مسترد ہو جانا دوسرا ایک عظیم المیہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ ملک و ملت کی حالت زار پر رحم فرمائے اور قوم کے کلیدی طبقہ کو ہدایت دے ۔

★

لاہور میں اسلامی سربراہوں کی کانفرنس کا پروگرام نہایت خوش آئند اور لائق تحسین ہے ۔ ہم دل وجان

سے اسکی کامیابی کیلئے دست بدعا ہیں۔ اتحادِ عالم اسلامی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔ مگر اس کی بنیاد دینی مادی سیاسی اور اقتصادی رشتوں سے زیادہ روحانی اور ایمانی اینٹوں پر استوار کی جاسکتی ہیں۔ جسکی تعبیر حبل اللہ سے کی گئی ہے۔ دین متین اسلام اور شریعت اس اتحاد کا بنیادی سرچشمہ ہو تو اتحاد ممکن اور پائیدار ہو سکتا ہے۔ ورنہ اب تک ایسی کوششیں اتحاد کی بجائے مزید انتشار کا ذریعہ بن چکی ہیں خوشی ہے کہ عالم اسلام کو باہمی اشتراک و اتحاد کی ضرورت کا احساس ہو رہا ہے۔ اور پاکستان اس میں اہم رول ادا کرنے کے درپے ہے۔ حق تعالیٰ پاکستان کی کوششیں نظرِ بد سے بچائے اور اسے عالم اسلام کی ترقی و استحکام کا ذریعہ بنادے۔

★

ربوہ میں مرزائیوں کے موجودہ امام مرزا ناصر احمد نے جماعت کی سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزائیوں نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کے ہزاروں نسخے نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، زیمبیا، اور دیگر افریقی ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کئے ہیں اس کے علاوہ انگریزی، جرمنی، اور دیگر زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کروا کر یورپی ممالک میں تقسیم کرانے کا منصوبہ بھی جاری ہے۔ اس مقصد کے تحت ابتداء میں یورپ میں قرآن کے تیس ہزار نسخے تقسیم کئے جائیں گے۔

یہ تو مرزا صاحب کے منصوبوں کی ایک جھلک تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے بلوچستان کے تحریف شدہ نسخوں کی طرح اگر محرف نہ ہوں تو پھر مرزائیوں کو اسکی اشاعت کا فائدہ ہی کیا ہے۔

مرزائیوں کی ایسی تحریفی سرگرمیوں کی ہزاروں مثالیں اب تک سامنے آچکی ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھیوں کی تصانیف میں بطور حوالہ درج آیات قرآنی میں لفظی تحریف کی بھی نشاندہی اخبارات و رسائل میں آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ رہ گیا معنوی تحریف و الحاد تو وہ تو اس تحریک کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ قرآن کریم تو خیر ان کی تحریف کا نشانہ تھا ہی کہ اب کلمہ طیبہ میں بھی ان کی لفظی تحریف کے شواہد سامنے آچکے ہیں۔ یہاں تک کہ ان باتوں کی صدائے بازگشت صوبائی اسمبلیوں سے ہوتے ہوئے اب کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھی شد و مد سے سنی گئی۔ مگر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ہمارے محترم وزیر اطلاعات صاحب نے نہ صرف ان باتوں کی تردید کی بلکہ بلوچستان میں تقسیم شدہ مرزائی نسخوں میں بھی ہر قسم کی تحریف کی تردید کی جس پر پاکستان کے علمی و دینی طبقے عموماً اور بلوچستان کے دینی حلقے بجا طور پر محو حیرت ہیں کہ کیا واقعی ہمارے وزیر اطلاعات ان تمام حقائق سے بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انہوں نے اپنے ذمہ دارانہ مقام پر فائز ہوتے ہوئے یہ طرز عمل اختیار فرمایا۔ ہمیں علمی حلقوں کی طرح جناب کوثر نیازی کا تعلق خاطر عزیز ہے۔ مگر قرآن کریم اور حفاظت ناموس ختم نبوت کے تقاضے اس سے بڑھ کر گراں خاطر عزیز ہیں۔ اگر مولانا بھی مسلمانوں کے

اپنے متعلقہ اور مسلمہ جذباتی مسائل میں یہ انداز اختیار فرماویں تو ہمارے دردِ دل کی ٹیسیں اور احساسِ رنج و الم اور بھی شدید ہوگا۔ قرآن کریم کی تصحیح کے سلسلہ میں مولانا نیازی کے اعلانات اور مساعی سے ہمیں خوشی ہو رہی تھی مگر مرزائیوں کے قرآن کے بارہ میں ایسی شرمناک عبارتوں پر مولانا کے اس "برأت" سے بجا طور سے ہماری مسرتیں اب اندیشوں میں بدل گئی ہیں۔

بہرحال یہ ضمنی تذکرہ بات تھی، اصل بات مرزا ناصر کے اس پروگرام سے متعلق تھی۔ حقائق اور قطعی شواہد کی رو سے یہ نسخے محرف قرآن کے نسخے ہوں گے۔ اس میں مرزا ملعون کو نبی عربی احمد مجتبیٰ ﷺ کے لبادہ میں پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔ محمد کو مٹا کر غلام کو احمد کے پیرایہ میں متعارف کرایا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دیکھتے یہ شرمناک معتقدات کی ہنسی بھی اڑائی جائے گی۔ مگر بہت سے مسلمان اور نام نہاد نام لیوایان محمد عربی ﷺ نہ صرف یہ کہ تشویش سے مس نہ ہوں گے بلکہ ان کے مذہبی مساعی اور تبلیغی سرگرمیوں کو داد و ستائش سے بھی نوازیں گے۔ مگر اپنی بے حسی فرائض سے غفلت اور بے تعلقی کا احساس بہت ہی کم کسی کو ہوگا۔

★

پچھلے دنوں صوبہ سرحد کے اہم گرمائی شہر ایبٹ آباد کے قریب اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کے متصل قادیانی فرقہ کے ایک مخصوص کالونی کا منصوبہ مسلمانوں کے اشتعال اور مفتی محمود گورنمنٹ کی مداخلت کی بنا پر روک دیا گیا تھا۔ اب پھر یہ تشویشناک خبریں آرہی ہیں کہ پیرس کی نگرانی میں صوبہ سرحد میں اس دوسرے ربوہ کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ جو درحقیقت مرزائیوں کے نام کا گرمائی ہیڈکوارٹر اور بالآخر ان کی عالمی ریشہ دوانیوں کا مرکز ثابت ہوگا۔ اس بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کی نزاکت اور احساسات کی شدت کا حکومت کو پوری طرح علم ہے۔ مگر جان بوجھ کر اس رواداری اور وسیع النظری کا مظاہرہ مسلمانوں کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہے۔ سرحد کے غیرتمند دیندار مسلمانوں کو خصوصاً اور پاکستان کے تحفظ ناموس رسالت کے جذبہ سے سرشار تمام مسلمانوں کا عموماً فریضہ ہے کہ اس منصوبہ کو کسی حال میں کامیاب نہ ہونے دیں اور اگر حکومت دوراندیشی سے کام نہیں لیتی تو مسلمانوں کو اپنے طور پر عالمی صیہونیت اور سامراجیت کے علمبردار اس دشمن اسلام و رسول قادیانی فرقہ کے ان مذموم عزائم کو خاک میں ملا دینا چاہئے۔ ناموس رسول ﷺ کے تحفظ اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بچانے کی تمام کوششیں عنداللہ مقبول و محمود ہوتی ہیں۔ اس راہ میں ذرہ برابر غفلت و مداہنت یا کوئی مصلحت بینی اور رواداری ایمان و اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ربوہ میں کسی غیر مرزائی کو ایک مرلہ جگہ نہ دینے والے گروہ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کی اکثریتی علاقے میں اپنے اڈے قائم کرے۔ اس بارہ میں پاکستان کی ایک عدالت (محمد نسیم صاحب سول جج رحیم یار خان) کا ایک حکم امتناعی بھی موجود ہے۔ کہ مرزائی کسی بستی آبادی میں ہرگز اپنا مرکز قائم نہیں کر سکتے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ — سمیع الحق

ثقافت کے نام پر فحاشی

رپورٹنگ :- شفیق فاروقی امروہی

قومی اسمبلی میں مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی قرارداد مسترد
حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور بحث

قومی اسمبلی کے موجودہ سیشن میں ۲۹ نومبر بروز جمعرات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی وہ قرارداد ۹۰ منٹ تک زیر بحث رہی جو آپ نے ملک میں ثقافت کے نام پر فحاشی پھیلانے والی سرگرمیوں پر پابندی کے بارہ میں پیش کی۔ دوسرے غیر سرکاری دن ۱۳ دسمبر کو وزیر قانون اور محرک قرارداد مولانا مدظلہٗ کی تقریروں کے بعد اسلام کے نام نہاد دعویداروں کی رائے شماری کرکے برسرکاری ارکان کی کثرت رائے سے قرارداد مسترد کردی گئی۔ اس کی تفصیلات یہاں پیش کی جارہی ہیں۔ (ادارہ)

قرارداد :- "اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں ثقافت اور کلچر کے نام سے ہونے والی تمام ایسی سرگرمیوں (ڈانس، ناچ گانا وغیرہ) پر پابندی لگائی جائے جن سے معاشرہ میں اخلاقی برائیاں فحاشی اور بے حیائی پھیل رہی ہو۔ نیز رقص و سرود کرنے والے ثقافتی طائفوں کا بیرون ملک سے تبادلہ بند کردیا جائے۔"

قرارداد کے جواز پر بحث | حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ کے قرارداد پیش کرنے کے بعد محترم وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد کی پرزور مخالفت کی اور کہا کہ آئین کے رہنما اصولوں میں اسلامی اقدار کا تدریجی انسداد کا ذکر ہے۔ اور آئین کی بعض اسلامی دفعات کا سہارا لیتے ہوئے ایسی کسی قرارداد کو وقت کا ضیاع قرار دیتے ہوئے اسے زیر بحث لانے کی مخالفت کی۔

محرک قرارداد مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اس کے جواب میں اٹھ کر کہا کہ آئین کے رہنما اصولوں کا نفاذ یا تعمیل حکومت پر لازمی نہیں۔ وہ محض رہنما اصول ہیں جن کا حکومت پر نفاذ ضروری نہیں ہر جگہ اس کا سہارا لینا ہر بات سے محض پیچھا چھڑانا ہے۔ جب پارلیمنٹ اسی آئین کے نفاذ کے لئے قوانین بناتی ہے اور یہ قوانین کی توہین نہیں۔ بلکہ قوانین کو آئین کی تشریح سمجھ کر ایسا کیا جاتا ہے۔ تو یہ قرارداد آئین کے رہنما اصولوں پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ نیز ہمارا مقصد قرارداد سے پارلیمنٹ کی خواہشات اور

ترم کے جذبات کو پیش کرتا ہے ۔ اور یہ کہ اب پالیسی کے رہنما اصولوں کو قانون بنا کر اسلامی تقاضوں کو
عملی شکل دی جائے۔ سپیکر صاحب نے کہا کہ وزیر قانون کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اصولوں کے ہوتے
ہوئے ریزولیوشن پر بحث وقت ضائع کرنا ہے ۔ مولانا نے کہا کہ نہیں ۔ قرارداد ایک کاغذی
چیز کو عمل میں لانے کا مطالبہ ہے ۔ اور شاید جو مخالف ہیں ۔ بحث کے نتیجہ میں وہ بھی موافق ہو جائیں
مولانا نے کہا کہ آج وزیر صاحب بل لانے کا کہتے ہیں ۔ اگر وہ قرارداد پیش کرنے کے مخالف ہیں ۔
تو کل بل کی اجازت کس طرح دیں گے ۔ مفتی محمود صاحب اور پروفیسر غفور صاحب وغیرہ نے بھی اس
مرحلہ پر سپیکر کی توجہ اس طرف دلائی کہ قرارداد جب ایک دفعہ پیش ہو کر ایوان کی ملکیت بن چکی ہے تو
وزیر قانون اس کے زیر بحث لانے کی مخالفت کس طرح کر سکتے ہیں ۔

سپیکر صاحب نے کہا کہ نہیں ۔ بحث تو اب لازماً ہوگی ۔ اور پہلے محرک قرارداد کو نصف گھنٹہ
اس پر بولنے کا جو ان کا قانونی حق ہے ۔ موقع دیا جائے گا ۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اس مرحلہ پر سپیکر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وزیر تعلیم تو اسے
ڈس الاؤ کرانے کی کوشش میں تھے ۔ آپ نے کرم فرمایا کہ اجازت دی ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت
مولانا کی قرارداد بالکل بروقت ہے ۔ اور اسمبلی کے ہر ممبر کو اس پر اپنے جذبات ظاہر کرنے کی اجازت
ہے ۔ تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ کون کون سے ارکان ڈانس کے شوقین ہیں ۔ اور کون کون سے مخالف ۔
اور قوم کو کون کن راہوں پر ڈالنا چاہتا ہے ۔ ؟ اس کے بعد سپیکر کی اجازت سے محرک قرارداد نے
اپنی قرارداد کی تشریح میں حسب ذیل تقریر فرمائی ۔

حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ: محترم سپیکر صاحب ! سب سے پہلے ایک بات عرض کرنی
ہے ۔ کہ ہم سب سیاسی نقطۂ نظر سے الگ الگ ہو سکتے ہیں ۔ سیاسی طور پر اپنے اپنے مختلف نام
بھی رکھ سکتے ہیں ۔ مختلف خیالات بھی ہو سکتے ہیں ۔ مگر بحیثیت مسلمان کے ہم سب ایک ہیں ۔
ارشاد ہے : انما المؤمنون اخوۃ ۔ (سب مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔) تو آج غیر سرکاری
قراردادوں کا دن ہے ۔ اس لئے میری اس قرارداد پر حیثیت جماعت کے نہیں ۔ اور نہ حزب
اختلاف یا حزب اقتدار کے نکتۂ نظر سے بلکہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم سب بحمداللہ عزیز بھائی یہاں مسلمان جمع ہیں ۔ جنہوں نے ہمیں
ووٹ دیکر منتخب کیا ۔ انہوں نے بھی مسلمان جان کر اسلام ہی کی خاطر یہاں بھیجا ہے ۔ اور مسلمان
کو اسلام یا کسی اسلامی مسئلہ کے بارے میں حسن رویہ کا پابند بنایا گیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ : دعا کا رخ

لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ ۔ الآیۃ ۔) اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے ۔ کہ جب اللہ اور اللہ کا رسول ایک حکم دیدے تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو نس پیش کرنے کا اختیار نہیں ۔

نہ اسے ووٹ دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے کہ وہ چاہے اسے منظور کرتا ہے ۔ یا نہیں ۔ جب خدا اور خدا کا رسول کوئی حکم دیدے ۔ تو کسی کو اسطرح کا اختیار ہی نہیں ۔ (سوائے تسلیم و انقیاد اور اطاعت کے) تو ہمارے ارکان اسمبلی مرد ہوں یا عورتیں ان میں بدعملی اور عملی کوتاہی تو ہو سکتی ہے ۔ مگر بدعقیدگی مسلمانی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ۔ اور بحمد اللہ کہ ہم بدعقیدہ نہیں ہیں ۔ اور سب کا عقیدہ ہے کہ مالک ہم سب کا اللہ ہے ۔ تو قانون بنانے کا اختیار بھی اللہ کو ہے ۔ ہم تو صرف یہ کر سکتے ہیں ۔ کہ اس کے قانون کا نفاذ کریں ۔ اور یہی ہم چاہتے ہیں ۔ اور بحمد اللہ کہ امت کی اکثریت اب بھی بدعقیدہ نہیں ۔ تو بنیادی مسئلہ تو یہ ہے ۔ کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے بلا چوں و چرا سر تسلیم خم کریں ۔ اگر وہ حکم دے کہ آگ میں کودو ، تو ہم کود پڑیں ۔ اگر سمندر میں کودنے کا حکم ہو ۔ تو ہم بلا پس و پیش تعمیل کریں ۔ دیکھئے آج بھی موجودہ فوجی قانون میں یہی طریقہ ہے ۔ کہ اگر کسی فوج کا کمانڈر حکم دے کہ آگ میں کود و ، تو سپاہیوں پر کودنا لازمی ہو جاتا ہے ۔ اس کے حکم پر ہتھیار تک ڈال دیا جاتا ہے ۔ (جیسا مشرقی پاکستان میں کیا گیا ۔) تو فوج کا کام ہے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرنا ۔ اگر کمانڈر جو کہ ایک انسان ہے کے حکم کی تعمیل کرنا فوج پر لازم ہے ۔ تو جب ہم نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا ، تو اب خدا اور رسول کے ہر ہر حکم پر آمنا و صدقنا کہنا لازمی ہوگا ــــــ تو مجھے آپ سے بحیثیت پارٹی کے رکن کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اور ادنیٰ خادم ہونے کے کچھ عرض کرنا ہے ۔ اور اسلام صرف میرا نہیں ، سب کا دین ہے ۔

تو یہ جو قرارداد نخش ثقافتی سرگرمیوں کے بارہ میں میں نے پیش کی ہے ۔ اور یہ جو فحاشی وغیرہ ہمارے ملک میں تیزی سے پھیل رہی ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ دینی لحاظ سے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کا کیا حکم ہے ۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے : ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ ویتخذھا ھزواً ۔ یعنی بعض لوگ اسی میں لگے رہتے ہیں ۔ کہ دولت لٹا لٹا کر ڈھوم ، کنجر اور ناچ گانے والوں کو بلاتے ہیں ۔ ان سے لھو و لعب والی باتیں سنتے ہیں ۔ گانا ناچنا یہ سب لھو الحدیث ہے ۔ تاکہ کسی طرح طبیعت ان چیزوں سے خوش ہو جائے ۔ اور ایسا کیوں کرتے ہیں ۔ کہ لوگ خدا کا راستہ چھوڑ کر اپنی خواہشات میں بھٹک جائیں ۔ ویتخذھا ھزواً ۔ اور دین

کا مذاق اڑایا جائے۔ ایسے لوگوں کے بارہ میں آگے فرماتے ہیں۔ ولکم عذاب مھین۔ تو ذلیل کرنے والے عذاب کا ذکر ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آج بھی جس قیدی کی تذلیل و توہین کرنی ہو، اسے سی کلاس میں رکھتے ہیں۔ اور اگر کسی معزز شخص کو سزا دی جائے۔ تو اسے کلاس میں رکھ دیتے ہیں۔ تو ان لوگوں کیلئے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ تو اخلاقی نقطۂ نظر سے جیسا کہ محترم وزیر قانون نے بھی ایک حد تک تسلیم کرلیا۔ کہ ناچ گانوں سے سوائے بے حیائی اور شہوانی آثار کے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

(مفتی محمود صاحب شاہ احمد نورانی صاحب اور دیگر ارکان حزب اختلاف نے مداخلت کی اور کہا کہ وزیر قانون نے ایسا نہیں کہا۔

مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں کہا کہ نہیں جناب میں نے تو ایسا ہی سنا ہے۔ ایک حد تک وہ تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تعجب اور حیرت کی بات یہ تھی۔ کہ خود وزیر قانون نے اٹھ کر سختی سے محرک قرارداد کی تردید کی۔ اور کہا۔ کہ مولانا میں نے کبھی نہیں کہا۔ کہ ناچ گانے سے فحاشی پھیلتی ہے۔)

مولانا عبدالحق مدظلہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا ...... تو بہرحال اخلاقی نقطۂ نظر سے ہمیں ایسی تمام باتوں کو ترک کردینا چاہئے۔ وزیر صاحب موصوف نے یہ فرمایا ہے۔ کہ ہمیں موجودہ تہذیب کے ساتھ چلنا ہے۔ دوسری قومیں ان چیزوں کو اچھا جانتی ہیں۔ تو ہم بھی ان کی متابعت کریں۔ تو اتنا عرض ہے کہ دیکھئے ہم یورپ کی تقلید میں کہاں تک جا پہنچے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے۔ کہ اچھائی جہاں بھی تمہاری چیز ہے، اسے اپناؤ۔ اسے حاصل کرو۔ تو اگر ہم یورپ کی اچھائیوں کو اپنائیں تو کوئی ہمیں نہیں روکتا۔ یورپ والے ایٹم بم بناتے ہیں، ہوائی جہاز بناتے ہیں، جفاکشی کرتے ہیں، کھدر سے کپڑے اور وردی پہنتے ہیں۔ صرف ائرکنڈیشنوں میں نہیں رہتے۔ یورپ والے جھوٹ نہیں بولتے۔ نہ پارلیمنٹ میں کوئی جھوٹ بولنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہو گیا یا کسی نے غلط بیانی کی۔ تو اسے مستعفی ہونے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔ وہ قومی امور میں بدعہدی نہیں کرتے، اسلحہ اور جنگ کی دوڑ میں مصروف رہتے ہیں۔ تو اگر ہم یورپ کی ان اچھائیوں کو لیں۔ تو اچھی بات ہے۔ مگر یہ تو نہیں، کہ ان ساری اچھائیوں پر تھوکتے رہیں۔ مگر ان میں جتنی بے غیرتیاں اور خرابیاں ہیں اسے گلے لگالیں۔ اسکی مثال تو ایسی ہے کہ ایک بھنگی ہے۔ اور بھنگی بھی بحیثیت انسانیت کے احترام کے قابل ہے۔ میں اس کی تنقیص نہیں کرتا۔ صرف مثال دیتا ہے۔ کہ بھنگی میں کئی اچھی باتیں ہوں۔ مگر ایک شخص اسکی تمام اچھائیوں کو چھوڑ کر اسکی یہی ایک بات اپنائے۔ کہ صاف سے جہاں

کی غلاظت اور گندگی سے بھرے، تو ہم نے بھی یورپ کے ساتھ ایسا کیا، تو اسکی برائیاں چھوڑ دو اور اچھائیاں اپنالو۔ اپنی تمدن و تہذیب اور طور طریقے بیشک چھوڑ دو۔ میری طالب العلمی کا زمانہ تھا۔ ہندوستان سے ایک وفد جس میں مولانا محمد علی جوہر جن کا انتقال وہیں ہوا۔ اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ اس وفد میں گاندھی بھی گیا، ملکہ سے ملاقات کیلئے خاص لباس اور مخصوص آداب تھے۔ مگر گاندھی شاہی دربار میں حاضری کے وقت بھی اسی سادھوؤں کی شکل میں لنگوٹ باندھ کر جاتا ہے۔ اور کہتا ہے ملکہ معظمہ اگر گفتگو مجھ سے کرنا چاہتی ہے۔ تو اسی لباس میں کہ یہ میرا قومی لباس ہے۔

تو ہمیں یورپ کا ہر معاملہ میں اتباع نہیں کرنا چاہیئے۔ انگریز کے دور میں بھی ہمارے ملک میں ایسے پختہ کردار کے لوگ تھے۔ جنہوں نے ترکی ٹوپی پہننا نہ چھوڑی، قومی لباس نہ چھوڑا۔ اور اسی لباس میں وائسرائے تک سے ملتے۔ اور وائسرائے نے کسی کو اس لباس میں دیکھ کر کہا۔ کہ اے دوست اس لباس میں تو جتنا بھلا لگتا ہے۔ انگریزی لباس میں اتنا نہیں لگ سکتا۔

بدقسمتی ہے ــــ ہم نے ثقافت کو جو عربی لفظ ہے۔ اور اس کا مطلب کسی چیز کا ٹیڑھاپن درست کر دینا ہے۔ مگر ہم نے اخلاقی اور معاشرتی خرابی اور ٹیڑھاپن کو اور بڑھا دینے اور ترقی دینے کا نام ثقافت رکھ دیا۔ صرف ناچ ڈانس گانے بجانے کو ہم نے یورپی تہذیب سمجھ لیا۔ اور اسے ترقی کا نام دیا۔ کل میں نے یہاں کراچی میں ایک بہت بڑے جوئے خانے کے متعلق سوال کیا تھا۔ مگر جواب میں اس کے وجود سے انکار کیا گیا۔ مگر آج ہی مجھے معلوم ہوا۔ کہ کراچی میں سراج الدولہ روڈ پر بھی ایک بہت بڑا جوا خانہ کروڑوں روپے سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ بات ایسی ہو جیسے ہمارے محترم وزیر نے جواب دیا کہ نہیں ہے۔ مگر یہاں کراچی والے بھی موجود ہیں ــــ اگر ایسی باتیں پائی جاتی ہیں۔ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ یورپ سے بہت سی اچھی باتیں ہم مسلمانوں سے ہی لیں مگر ہم ان کی برائیوں ہی سے مرعوب ہوتے ہیں۔ پرسوں اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ لندن میں ایک شخص مادر زاد برہنہ رہنے کی تحریک لیکر نکلا ہے۔ اور کہا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ تو کیا ہم بھی یورپ کی تقلید میں یہ کہیں۔ کہ لندن میں ایسا ہو رہا ہے، تو ہم بھی مادرزاد ننگے ہو جائیں۔ انہوں نے پارلیمنٹ میں ہم جنسی اور اغلام بازی کو قانونی شکل دی۔ تو کیا ہم بھی ایسا کریں۔؟

ہمارے ہاں قانونوں میں ننگے نہانا اور ناچنا کودنا آرٹ ہے۔ اور ہمارے وزراء کو اس پر بہت افسوس ہے کہ ہم ایسی ترقی کیوں نہیں کر رہے۔ گویا کہ ایسے لوگوں کو یہ افسوس ہے۔ کہ قوم کی ساری مائیں بہنیں کیوں ایسا نہیں کر رہیں۔ (مگر کیا پوری قوم کو اس راستہ پر لگا دینا قوم کے ساتھ انصاف ہے۔

دیکھئے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور فحاشی پھیلانے والوں کے بارہ میں ہے کہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ۔

اخبارات میں ایسی چیزیں پڑھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ لوگ ننگے ہیں، بھوکے ہیں، فاقوں مر رہے ہیں۔ مگر ہم ریڈیو کو ترقی دینے اور رنگین ٹیلی ویژن بنانے کے مژدے سناتے ہیں جن پر کروڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ دولت بجائے ایسی باتوں کے قوم کی بنیادی ضروریات پر خرچ ہو۔ تو آج یہ حالت نہ ہو۔ میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔ مگر ایسی فحش سرگرمیوں سے یہ توقع رکھنا کہ اس سے قوم کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔ تو یہ فطرت سے مقابلہ ہے۔ دیکھئے پانی کی خاصیت ہے۔ کہ پیاس بجھائے۔ زہر کھانے کا نتیجہ زہر سے مرجانا ہے۔ تو اس ناچ گانے کا لازمی نتیجہ اخلاقی تباہی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

دودھ اور گوشت بلّی کے سامنے رکھ دیں، اور یہ توقع رکھیں، کہ وہ اسے نہ کھائے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ مرد و عورت مشترکہ ڈانس کریں۔ اور نتائج ظاہر نہ ہوں گے۔ یہ کب ممکن ہے۔؟

کہا جاتا ہے۔ کہ ایک وائسرائے نے حیدر آباد کے نواب سے کہا۔ کہ دیکھو تم بڑے تنگ نظر ہو دیکھو میرے ساتھ میری میم بھی ہے۔ مگر تم اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لاتے۔ نواب حیدر آباد نے کہا: کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن مجلس میں نواب صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر وائسرائے سے کہا کہ مجھے یہ قطعی یقین ہے۔ کہ یہ دونوں میرے ہی بیٹے ہیں۔ کیونکہ شادی کے بعد میری بیوی پر کسی غیر مرد کا سایہ بھی نہیں پڑا ہوگا۔ مگر کیا آپ کو بھی اس طرح یقین حاصل ہو سکتا ہے۔؟

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ یورپ، اور انگلینڈ میں سو فیصد عورتیں زنا میں مبتلا ہیں۔ اور سب بچے حرامی ہیں، سوائے ملکہ وکٹوریہ اور سوائے میری والدہ کے۔ آگے لکھتا ہے۔ کہ ان دو عورتوں کی استثناء بھی اس وجہ سے کرتا ہوں۔ کہ ملکہ تو حاکم ہے، ڈر کی وجہ سے اس کا استثناء کرتا ہوں۔ دوسری عورت میری والدہ ہے۔ اگر اس کا استثناء نہ کروں۔ تو میں بھی حرامی اولاد ہو جاؤں۔ ورنہ ان کا حال بھی مجھے معلوم نہیں۔

تو جسطرح آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے۔ اس طرح فحاشی کے ساتھ اخلاقی عفت اور پاکیزگی جمع نہیں ہو سکتی۔

محترم سپیکر صاحب! ہمیں کافروں کو دیکھ کر ایسی باتیں نہیں اپنانی چاہئیں، کافر کے ساتھ دنیا میں اللہ کا معاملہ اور طرح ہے۔ اس کو برائی پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ سو سو برس دو دو سو برس کی مہلت۔ مگر مسلمانوں کو اللہ جل جلالہ اتنی لمبی مہلت نہیں دیتا۔ سال دس سال مہلت دے

بھی اسے بالآخر جلد ہی ایسے لوگوں کو مٹا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے (لھم عذاب مھین) کی سزا سنائی گئی ہے۔ آپ مجھ سے ناراض نہ ہو۔ بحیثیت ایک ادنیٰ خادمِ اسلام کے یہ میرا فرض تھا۔ اس لئے یہ قرارداد میں نے پیش کی۔ ہمیں کبھی بھی ناجائز کو جائز نہیں کہنا چاہیئے۔ اور شاید آپ حضرات کا ایمان مجھ سے بھی پختہ ہو عقیدہ کے لحاظ سے تو ہمیں متفقہ طور پر اس قرارداد کے ذریعے اپنے جذبات اور پوری قوم کے جذبات صدر، وزیر اعظم اور وفاقی وزراء تک پہنچانے چاہئیں۔۔۔ (وزیر قانون کی تقریر کو اشارہ کرتے ہوئے آپ نے کہا) اگر آپ کہتے ہیں کہ اس بارہ میں مجھے بل پیش کر دینا چاہیئے۔ اور آپ کل کو بل منظور کرتے ہیں۔ اور قانونی شکل دینے کے مدعی ہیں۔۔۔ تو آج اسی قرارداد پر ابتداء اور بسم اللہ کیجئے۔ اور اس قرارداد کو منظور فرمائیں۔ کل کو بل کی شکل میں جب پیش ہوگا۔ تو اسکی منظوری آسان طریقہ سے ہوگی۔

قرارداد پر بحث اور رائے شماری میں قرارداد کا استرداد

مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک قرارداد کی مخالفت اور موافقت میں تقریریں ہوئیں جن کا اختصار ہم بعض اخبارات مثلاً روزنامہ اعلان کراچی یکم دسمبر۔ نوائے وقت راولپنڈی ۳۰ نومبر، حریت کراچی یکم دسمبر۔ روزنامہ جمہور لاہور یکم دسمبر، جنگ راولپنڈی ۳۰ نومبر، پاکستان ٹائمز ۳۰ نومبر سے نقل کر رہے ہیں:۔

قرارداد کی پرزور تائید اور موافقت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا کہ آئین میں قرارداد میں موجود تمام باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس لئے قرارداد قبول کی جائے۔ انہوں نے دکھ کا اظہار کیا کہ یہ لوگ اسلام کے نام پر منتخب ہو کر آئے مگر اسلام کے نام پر ووٹ دینے کو تیار نہیں۔ یہ نفاق اور دوغلی پالیسی ہے۔ جو اسلام، جمہوریت اور سوشلزم سب دعووں کے بارہ میں اختیار کی جا رہی ہے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کے مولانا مصطفیٰ الازہری نے کہا کہ ماضی میں مسلمان ہندوؤں کے اثر میں آکر فحش کو اپنانے سے تباہ ہوا۔ اس طرح طائفوں سے بھاری زرمبادلہ ضائع کیا جا رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے صاحبزادہ صفی اللہ نے کہا کہ پاکستان میں ثقافت کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ دشمن کے اس مشن کا حصہ ہے کہ اسلام کو ختم کرنے کیلئے فحاشی پھیلائی جائے۔ مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ اسلام نے قدم قدم پر بے حیائی کی مخالفت کی ہے کھیل کود کے انتظامات حیاء کو قائم رکھ کر اپنائے

جا سکتے ہیں۔ اگر نا ... نے والی یحییٰ خان کو تباہ کر سکتی ہیں تو اس کا نتائج کیوں نہیں کیا جاتا۔ ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے بھی مولانا عبدالحق کی قرارداد کو قبول کرنا چاہئیے۔ سرکاری پارٹی کے صنم خانہ میں اذان دینے والے صرف ایک ممبر چوہدری غلام رسول تارڑ تھے، جنہوں نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ جب اسلامی نظریات کی حفاظت کی ضمانت آئین میں دی گئی ہے۔ تو عریانی کو جنم دینے والے پروگراموں پر پابندی لگانی چاہئیے۔

سرکاری پارٹی کی ... نے وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے قرارداد کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ آئین کی پالیسی کے اصول ... میں ایسی باتیں موجود ہیں اس قسم کی قراردادوں کا مقصد وقت ضائع کرنا ہے۔

پروفیسر غفور احمد نے مولانا کی قرارداد میں یہ ترمیم پیش کی تھی کہ بیرون ملک جانے والے تمام وفود پر پابندی لگائی جائے کہ وہ دوسرے ممالک ... کسی قسم کے مخرب اخلاق شو میں حصہ نہ لیں۔ اور اپنی روایات پر قائم رہیں۔ وزیر قانون نے اس ترمیم کی بھی شدید مخالفت کی اور کہا کہ شو دیکھنے سے قبل کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ پروگرام غیر اسلامی ہے۔ اور کو ... فیصلہ کرے گا۔ کہ کونسی چیز مخش ہے۔ ڈاکٹر محمد شفیع (پی پی پی) نے کہا قرارداد میں رقص و موسیقی کی مذمت ... گئی ہے۔ مگر ہم قوالی کے خلاف نہیں۔ قومی ترانہ، علامہ اقبال اور ظفر علی خان کا کلام موسیقی میں ہوگا۔ تو اسکی ... الفت نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے کہا قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق خٹک ڈانس کے کس طرح خلاف ہو ... سکتے ہیں۔

وزیر محنت رانا محمد حنیف نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد میں راگ ناچ پر پوری پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ جبکہ فحاشی پر پابندی موجود ہے۔ خواہ اس پر عمل نہ بھی کیا جائے۔

اس مرحلہ پر عبدالحفیظ پیرزادہ نے مولانا عبدالحق صاحب سے استفسار کرنا چاہا کہ کیا وہ اصولاً ڈانس اور گانے کو قبول کرتے ہیں۔ یا صرف مخش ہونے کے مخالف نہیں۔ مولانا ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ مولانا مفتی محمود صاحب نے اٹھ کر اعتراض کیا کہ قرارداد کی عبارت بالکل واضح ہے۔ اور ایسی باتوں کی آڑ میں بحث کو پھیلایا جا رہا ہے۔ مولانا نورانی نے اس مرحلہ پر ... نے والی نوک جھونک میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ نائٹ کلبوں کو لائسنس دئے جا رہے ہیں یا نہیں۔ ان کی سرگرمیاں فحاشی کی ضمن میں آتی ہیں یا نہیں۔

صاحبزادہ صفی اللہ (دیر) نے کہا کہ وزیر قانون اور وزیر محنت، مولانا عبدالحق صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کونسا ڈانس اور گانا جائز ہے۔ اور کونسا ناجائز۔ مگر شاید آپ کے پاس اسلامی ڈانس اور غیر اسلامی ڈانس کی تقسیم کرنے والے لوگ ہوں گے۔ جیسے اسلامی اور غیر ... مگر ہم ہمارے پاس اسلامی ڈانس ماننے والے

لگ رہی ہیں۔ (ایک رکن) [illegible] حنیف نے کہا ڈانس تو آپ کے کلچر کا ایک حصہ ہے۔ تو کہا گیا کہ ہم پٹھانوں میں اور بھی اچھی صفات ہیں انہیں بھی اپنایئے۔ ارکان میں یہ نوک جھونک جاری تھی کہ سپیکر نے اجلاس دوسرے دن تک ملتوی کر دیا۔

قرارداد پر ۲۰ دسمبر بروز جمعرات دوبارہ بحث شروع ہوئی تو مرکزی وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے قرارداد کی مخالفت میں طویل تقریر کی اور کہا کہ ثقافتی سرگرمیوں سے کسی طرح فحاشی اور بداخلاقی پھیلنے یا اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ انہوں نے ثقافتی طائفوں کے تبادلوں کو بھی وقت کی ضرورت قرار دیا اور کہا دوستانہ مراسم کے لئے ایسا تبادلہ ضرورت بن گیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تمام سرگرمیاں تمام اسلامی ممالک میں ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن و حدیث کا حوالہ دیا، بتایا گیا عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ سے کچھ سنایا، امام بخاری کا نام لیا گیا، ابوبکر صدیق اور بعض دیگر صحابہؓ کا بھی نام لیا۔ دوران تقریر ہی غلط غلط کی آوازیں اپوزیشن کی طرف سے اٹھنے لگیں پیرزادہ صاحب نے کہا اس طرح قراردادوں سے عوام کا استحصال مقصود ہے۔ اور سیاسی فائدہ۔

انہوں نے کہا کہ سندھ کا جھومر ناچ، پنجاب میں بھنگڑا ناچ، سرحد میں خٹک ناچ، بلوچستان میں لیوا، پاکستان کا ثقافتی ورثہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ ہر ایسی بات کو غیر اخلاقی ثابت کرتے ہیں جس کے وہ حق میں نہ ہوں حتیٰ کہ پاکستان کے قیام کو اخلاقی برائی سمجھتے تھے اور کفرستان کے نعرے لگاتے، انہوں نے کہا اگر یہ لوگ سنجیدہ ہیں تو قرارداد کی بجائے پرائیویٹ بل لایا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہر جمعہ کو ایسی قراردادیں لائی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان لوگوں کے بس میں ہوتا تو وہ ۱۲ کروڑ پاکستانیوں کو کافر بنا دیتے۔

وقت کے اختصار کے پیش نظر سپیکر نے دونوں طرف سے مزید تقاریر کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے محرک قرارداد کو آخری جوابی تقریر کرنے کا کہا جب کہ بیس منٹ تک، اس قرارداد کا آئینی حق محرک کو حاصل ہوتا ہے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر کے بعد سپیکر نے ہاں اور نہیں کہنے کے ذریعہ رائے شماری کرائی مگر محرک قرارداد اور دوسرے ارکان حزب اختلاف نے مطالبہ کیا کہ قرارداد پر واضح انداز میں رائے شماری کرائی جائے۔ تاکہ مخالفت اور موافقت کرنے والے معلوم ہو سکیں، محمود علی قصوری، احمد رضا صاحب، جناب پیرزادہ صاحب اور سپیکر کا اس نکتہ پر بحث و مباحثہ ہوا۔ جس کے بعد محرک قرارداد کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے سپیکر نے دوبارہ ارکان کو کھڑا ہو کر واضح رائے دینے کا حکم دیا۔۔۔۔
باقاعدہ رائے شماری کے نتیجہ میں موجود تمام ارکان میں ۱۲ ارکان نے حق میں اور اٹھائیس ارکان نے مخالفت

میں ووٹ دیا اور اس طرح سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد یہ دوسری خالص اسلامی قرارداد تھی جو ایک اسلامی ریاست کے با اختیار ادارہ میں اس جرأت اور بے دردی سے مسترد ہوگئی سرکاری بنچوں سے صرف راؤ خورشید علی نے ووٹ دیا جبکہ مسلم لیگ (قیوم لیگ) اور کسی قبائلی ممبر نے بھی حق میں ووٹ نہ دیا

محرک قرارداد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی جوابی تقریر

محترم سپیکر صاحب! اس مسئلہ کو خواہ مخواہ سیاسی رنگ دیا جارہا ہے۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ میرا تعلق جمعیۃ العلماء اسلام سے ہے۔ ہمارے بزرگوں نے انتخابات کے موقع پر جتنی تائید بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی کی کی ہے۔ اس سے اخبارات پر ہیں۔ یہ ناانصافی ہوگی کہ ہم اس وقت آپ کی وجہ سے اوروں کی گالیاں سنتے رہے اور آج یہ لوگ ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ اکابر جمعیۃ العلماء اسلام کے بیانات گواہ ہیں۔ انہوں نے کس کو کافر کہا تھا۔؟ آپ ہر موقع پر کفر کے فتویٰ کی آڑ میں تمام علماء کو نہیں ملامت کر سکتے۔ یہاں (پیرزادہ صاحب نے) یہ سوال اٹھایا کہ یہ قرارداد سیاسی استعمال اور عوام کو دکھاوا کیلئے پیش کیا جارہا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور ہرگز اس کا ایسا کوئی مقصد نہیں۔ تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ جسے ہم تسلیم کر چکے ہیں۔

۱۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کی بنیاد کوئی لسانی یا قومی چیز نہیں نہ کوئی علاقائی ثقافت ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد وہی ہے جسے ہم لا الہ الا اللہ سے تعبیر کرتے تھے۔ ہم نے ایک نظریہ کے ماتحت اس کو حاصل کیا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا آئین اسلامی آئین کہلاتا ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ ہم نے بار بار اس اسلامی آئین اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کا حلف اٹھایا ہے۔ اب جو بھی تہذیب و ثقافت ان باتوں کے خلاف ہو ہمیں اسکی مخالفت کرنی ہے۔ یہاں قومی ثقافتوں میں (پیرزادہ صاحب نے) خٹک ڈانس کا بھی ذکر کیا۔ میں خود خٹک ہوں اور مجھے خٹک قوم نے منتخب کیا ہے۔ مگر میں اسکی مذمت کرتا ہوں۔ ہمیں بہادری کی باتیں اپنانی ہیں۔ مگر ہماری قوم کو خٹک قوم کو اس ناچ کے ذریعہ دنیا میں رسوا کرانا مقصود ہے۔ کہ باہر کے لوگوں کے سامنے اس کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ڈانس بھی بزدلی اور نامردی کی چیز ہے۔ اور میں اپنی قوم کے اس عمل کی مذمت کرتا ہوں۔

جناب سپیکر صاحب! میں نے پچھلی جمعرات کو قرارداد پیش کرتے ہوئے آیت سنائی تھی۔ کہ (ومن الناس من یشتری لہو الحدیث ـ الآیۃ) کہ بعض لوگ فضول لغویات کو قیمتاً خریدتے ہیں۔ باہر

سے درآمد کرتے ہیں۔ کہ لوگ گمراہ ہو جائیں دین کی طرف سے پیٹھ پھیر لیں ——— دیکھئے کافروں کا مسلمانوں سے عناد ہے۔ اور وہ ہر صورت میں مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک صورت تو کافروں کا اسلحہ کے ساتھ لڑنے کی ہے۔ تاریخ میں بارہا یہ ہوتا رہا مسلمان رہتے رہے جو مر گئے وہ شہید ہوئے، جو نہ مرے وہ غازی بنے۔ اس مقابلہ میں ہر صورت میں مسلمان کامیاب اور کامران بنے۔ دوسری صورت کافروں نے جنگ کی یہ اختیار کی کہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے ان میں عریانی فحاشی اور بے حیائی کی چیزوں کو داخل کر دیا تاکہ مسلمان اپنا دین حیا و شرافت، لہو و لعب، زینت اور تعیش کی زندگی میں لگ جائیں۔

محترم پیرزادہ صاحب نے ثقافت اور ثقافتی طائفوں کے ذریعہ دوستی پیدا کرنے کی بات بھی بڑی مضحکہ خیز کہی ہے یہ عجیب دوستی ہے کہ ایک کی بیوی دوسرے کی بغل میں اور دوسرے کی اور کی بغل میں ہو۔ ابھی پچھلے دنوں ایک اخبار میں ایسا ہی فوٹو (مولانا نے ابھی بات شروع کی تھی کہ پیرزادہ صاحب نے اٹھ کر احتجاج کیا۔ دیگر ارکان پیپلز پارٹی نے بھی ہنگامہ مچا دیا۔ مولانا نورانی نے باربار کہا کہ حضرت مولانا تو اخبار کی خبر سنا رہے ہیں۔ جناب سپیکر نے ہنگامہ کو دیکھ کر مولانا مدظلہ سے بعض جملے واپس لینے کا کہا جسے آپ نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد مولانا مدظلہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔)

محترم سپیکر صاحب! مجھے اتنی گذارش ضرور کرنی ہے۔ کہ ہم یورپ کی تہذیب سے بہت ہی متاثر ہو گئے ہیں جب کہ یورپ چاہتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں نہ غیرت وحمیت رہے نہ شجاعت رہے۔ (اس غرض سے) انہوں نے بہت سے کھیل تماشے بنائے اور ہمیں اس میں مبتلا کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی فوج جب عمالقہ سے لڑی بلعم باعور ایک شخص نے کہا کہ جوان لڑکیوں کو ان کے پاس بھیج دو۔ فوجی جو بھی کہیں اس کے ماننے میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ اور فوج میں فواحش پھیلا دو تو یہ حربہ کامیاب ہوا کسی فوجی سے زنا سرزد ہو جانے پر خدا نے ساری فوج کو شکست دی۔ اور اس پر عذاب نازل کیا ———

تو میں آپ کے بیرونی روابط کی مخالفت نہیں کرتا۔ چین امریکہ روس سب سے دوستی بنانے کی تحسین کرتا ہوں مگر ایسی کسی دوستی کے لئے ہم اپنے مذہب کو قربان نہیں کر سکتے۔ (مسئلہ یہاں دوستی اور باہمی روابط کا نہیں بلکہ) مسئلہ ڈانس ناچ گانوں کا ہے۔ اور جس کے ذریعہ مردوں اور عورتوں کا ناجائز اختلاط ہوتا ہے۔ کل ایک اخبار میں تھا کہ ایک کلب میں ایک اجنبی شخص کسی اجنبی عورت

پر ہاتھ ڈالے ہوئے ناچ رہا ہے۔ تو جہاں تک ہمارے دین اور تہذیب کا نقصان نہ ہو، ہم یورپ کے ساتھ دوستی رکھیں گے، ورنہ نہیں ـــــ قرآن مجید اور حدیث میں اگر ہو کہ ڈانس جائز ہے اور کسی نے ثابت کیا تو مجھ پر جتنا جرم لگایا جائے میں تیار ہوں۔

پیرزادہ صاحب نے کہا بخاری کی روایت کا حوالہ دیکر کہا کہ بچیاں ناچ رہی تھیں۔ اگر آپ نے ثابت کر دیا کہ بچیاں ڈانس کرتی رہیں حضورؐ کے سامنے تو میں ہر قسم کا جرمانہ یا سزا بھگتنے کو تیار ہوں جبکہ یہ حوالہ قطعاً غلط دیا گیا ہے ـــــ پھر مقرر نے خود بچیوں کا ذکر کیا ہے یعنی نابالغ جسے آپ خود مکلف نہیں کہہ سکتے تو نابالغوں کا کوئی عمل دلیل بھی نہیں بن سکتا۔ (پیرزادہ صاحب نے آیت قل من حرم زینۃ اللہ۔ الخ سے استدلال کیا تھا۔ مولانا مدظلہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا) قرآن میں ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا پہنو، عمدہ لباس پہنو، خدا کی حلال نعمتیں استعمال کرو۔ مگر اس نے کہیں بھی ناچنے گانے اور ڈانس کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مسلمانوں نے اس کے بغیر دنیا میں ترقی حکومت کی۔ بنوامیہ اور بنوعباس نے ڈانس کے زور سے حکومت نہیں کی۔ مغلیہ حکمرانوں نے آسام سے ہرات تک سات آٹھ سو برس حکومت ڈانس اور گانوں کے زور سے نہیں۔ جب ڈانس کا فروغ ہوا اور طاؤس و رباب کا وقت آیا تو انگریزوں نے ان کے شہزادوں کو قلعہ کی دیواروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ اور لال قلعہ کی دیوار ان کے خون سے رنگین ہو گئی۔ اور ہم پر غلامی مسلط ہو گئی۔ تو مسلمانوں نے چودہ سو برس تک بلا ڈانس اور گانے بجانے کے دنیا میں عروج حاصل کیا۔

ـــــ واللہ العظیم میں سیاسی اختلافات کی بنا پر نہیں اور نہ میں سیاسی طبیعت کا آدمی ہوں بلکہ آپ ہی نے اصول طے کر دئیے کہ یہ ملک نظریاتی ملک ہے۔ آئین اسلامی ہے جس کی حفاظت کا حلف لیا گیا ہے۔ اب اگر خٹک قبیلہ خٹک ڈانس کرے۔ پنجابی بھنگڑا ناچیں۔ دنیا بھر کے لوگ ایسا کیوں نہ کریں۔ میں خود کیوں نہ کروں، مگر یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایسا کرنا ہمارے لئے جائز ہو جائے۔ قرآن و سنت جب ہمیں روکتے ہیں تو ہمارا عمل دلیل نہیں ہو سکتا۔

(مولانا نے کرنل قذافی کی مثال دیتے ہوئے کہا) کہ کرنل قذافی نے ایسی غیر اسلامی چیزوں کو رد کر دیا چور کی سزا قطع ید مقرر کی، شراب پر پابندی لگائی، خدا نے اسکی مدد کی۔ کیونکہ ان کے ہاں ترقی رک گئی اور اگر تمام دنیا کے مسلمان بھی کوئی غلط کام کرنے لگ جائیں تو یہ ہمارے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ میں آپ لوگوں کو باایمان سمجھتا ہوں۔ اور آپ سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایک وقت آپ کو یاد ہوگا۔ کہ بچے بچیاں گھروں سے نکلتیں تو لا الہ الا اللہ پڑھتیں یا قرآن کی تلاوت ہوتی۔ آج ٹی وی اور ریڈیو سننے والے

بچے بچیاں گھروں سے ناچتی گاتی ہوئی نکلتی ہیں ——

—— تو اب جب کہ ہماری عوامی حکومت کو اللہ نے اختیار دیا ہے تو اگر آپ صرف اتنا کہہ دیں کہ ناچ گانے اور ایسے مشاغل جس کا اثر عوام کے اخلاق و کردار پر پڑتا ہے۔ ممنوع ہوں۔ مخلوط ناچ والے ہوٹلوں پر پابندی لگا دی جاتے تو انشاء اللہ اللہ آپ کی مدد کرے گا —— تو خدا کی مدد حاصل کرنے کیلئے کچھ تو قدم اٹھائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اربابِ اقتدار کا فریضہ یہ بیان کیا ہے کہ الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ جس کو میں نے زمین پر سلطنت دی ان کا کام ہے کہ عبادات کو فروغ دے۔ غریبوں کی مدد اور بھلائی کرے۔ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ برائی کو چھوڑ دیں تو زنا کے دواعی کو چھوڑ دو کچھ تو عملی قدم بڑھاؤ۔

یہ طوائف کے جو طائفے ہم باہر بھیجتے ہیں، وہ بھی تو ہماری مائیں بہنیں ہیں۔ ان کی عزت ان کی غیرت اور حیا ہماری ہی غیرت اور حیا ہے۔ تو کیا دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات عورتوں ماؤں بہنوں کے ذریعہ بنائیں گے۔ آخر کچھ تو حیا کریں۔

[حضرت مولانا مدظلہ کی اخلاص اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی تقریر جاری تھی کہ اس مرحلہ پر سرکاری پارٹی کے ایک رکن کرنل حبیب نے نکتۂ اعتراض کے نام پر اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ طوائفوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جبکہ طوائف کے کوٹھے سے ہی سارے آداب ملتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں جائیں تو ان کو پتہ چلے اور آداب سیکھ کر آئیں۔ کوٹھے پر تو انسانیت ہوتی ہے۔ ممبر موصوف نے اپنی پارٹی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں غریبوں کی مدد کیلئے موسیقی اور رقص ضروری ہے۔ کرنل حبیب نے مزید گوہر افشانی کرتے ہوئے کہا میں بیس سال تک میوزک ڈانس کیساتھ رہا ہوں۔ جو میوزک نہیں جانتا وہ پاک آدمی بن نہیں سکتا —— اگر پاکستان کے غریبوں کی مدد کرنی ہے تو پہلے میوزک سیکھو، گانے دیپک راگ سمجھنے کی کوشش کرو۔ احمد رضا قصوری اور راؤ خورشید علی نے پوچھا کہ جن آداب کا مظاہرہ ہو رہا ہے وہ کوٹھے پر سیکھے گئے ہیں۔ اور کیا ان کی پارٹی نے تمام آداب کوٹھے سے سیکھے ہیں —— کرنل حبیب کے اس اندازِ بیان سے سرکاری پارٹی کی ایسی قراردادوں کے بارہ میں ذہنیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسمبلی کے نازک ماحول کا بھی۔ اور یہ بھی کہ علماء حق کیسے کٹھن اور روح فرسا ماحول میں فریضہ اعلاء کلمہ حق ادا کر رہے ہیں۔ کرنل حبیب اور اس جیسے بعض مقررین کے ایسے ریمارکس

کو پڑھ کر پی پی پی سے متعلق بعض صاحب دردمسلمان بھی چلا اٹھے۔ اور ممبر موصوف کے حلقۂ انتخاب کے اکثر پارٹی عہدہ داروں نے اخبارات میں ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ اور اپنی شرمناک رندانہ جراتوں کی مذمت کی۔]

حضرت مولانا مدظلہٗ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہوں کہ اس قرارداد کا مقصد کوئی سیاسی نہیں صرف مسلمانوں کی آپ کی اور سب کی ہمدردی اور بھلائی ہے تاکہ خدائے بزرگ و برتر ہماری قوم پر رحم کرے۔ اور خدا کی مدد شامل حال ہو۔ میں ایک ایک منکر اور دواعی منکرات کو دل سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ اس لئے ایسی قراردادیں پیش کی جارہی ہیں ——— ابھی پچھلے ہفتہ ایک شخص نے شادی پر ایک ڈانسر عورت کو ۵۰ ہزار روپیہ دیکر لاہور سے بلایا۔ اگر وہ ۵۰ ہزار روپے غریبوں پر لگا دیئے جاتے تو کتنا اچھا ہوتا ——— تو اگر سرکاری سرپرستی میں ایسے کام نہ ہوں یعنی سرکاری طاقت اسکی سرپرستی نہ کرے، بلکہ حوصلہ شکنی کرے تو یہ چیزیں ختم ہوسکتی ہیں۔ اتنی سی بات ہے۔ اب اگر جناب سپیکر آپ مناسب سمجھتے ہیں۔ تو اس پر رائے شماری کرا لیجئے۔ تاکہ مسئلہ زیر بحث ختم جائے۔ ■■

جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

قادیانیت

نے

عالم اسلام کو کیا دیا

؟ ـــــــــــــــ صرف ذہنی انتشار اور غیر ضروری مذہبی کشمکش

ہم کو ایک علمی اور حقیقت پسند انسان کے نقطۂ نظر سے تحریک قادیانیت کا تاریخی جائزہ لینا چاہیئے۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اسلام کی تاریخ اصلاح و تجدید میں کونسا کارنامہ انجام دیا اور عالم اسلام کی جدید نسل کو کیا عطا کیا ـــ؟ نصف صدی کی اس پُرشور اور ہنگامہ خیز مدت کا حاصل کیا ہے؟ تحریک کے بانی نے اسلامی مسائل اور متنازع فیہ امور پر جو ایک وسیع و ضخیم کتب خانہ[1] یادگار چھوڑا ہے۔ اور جو تقریباً ۷۰ برس سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ اور ماحصل کیا ہے؟ قادیانیت عصر جدید کے لئے کیا پیغام رکھتی ہے؟

ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے پہلے ہم کو اس عالم اسلامی پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔ جس میں اس تحریک کا ظہور ہوا اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں اس کی کیا حالت تھی اور اس کے کیا حقیقی مسائل و مشکلات تھے۔

اس عہد کا سب سے بڑا واقعہ جس کو کوئی مؤرخ اور کوئی مصلح نظر انداز نہیں کر سکتا، یہ تھا کہ اسی زمانہ میں یورپ نے عالم اسلام پر بالعموم اور ہندوستان پر بالخصوص یورش کی تھی۔ اس کے جلو میں جو نظام تعلیم تھا۔ وہ خدا پرستی اور خداشناسی کی روح سے عاری تھا۔ جو تہذیب تھی وہ الحاد اور نفس پرستی سے معمور تھی۔ عالم اسلام، ایمان، علم اور مادی طاقت میں کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس تہذیب و مسلح مغربی

---

[1] مرزا صاحب کی تصانیف کی تعداد ۸۰ سے کم نہیں ہے ان میں اکثر نہایت ضخیم اور کئی کئی جلدوں کی کتابیں ہیں۔

طاقت کا آسانی سے شکار ہوگیا۔ اس وقت مذاہب میں (جس کی نمائندگی کے لئے صرف اسلام ہی میدان میں تھا۔) اور یورپ کی ملحدانہ اور مادہ پرست تہذیب میں تصادم ہوا۔ اس تصادم نے ایسے نئے سیاسی، تمدنی، علمی اور اجتماعی مسائل پیدا کر دیئے جن کو صرف طاقتور ایمان، راسخ وغیر متزلزل عقیدہ ویقین، وسیع اور عمیق علم، غیر مشکوک اعتماد و استقامت ہی سے حل کیا جا سکتا تھا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک طاقتور علمی وروحانی شخصیت کی ضرورت تھی۔ جو عالم اسلام میں روح جہاد اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دے جو اپنی ایمانی قوت اور دماغی صلاحیت سے دین میں ادنیٰ تحریف وترمیم قبول کئے بغیر اسلام کے ابدی پیغام اور عصر حاضر کی بے چین روح کے درمیان مصالحت ورفاقت پیدا کر سکے اور شوخ و پرجوش مغرب سے آنکھیں ملا سکے۔

دوسری طرف عالم اسلام مختلف دینی واخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا۔ اس کے چہرہ کا سب سے بڑا داغ وہ شرک جلی تھا۔ جو اس کے گوشہ گوشہ میں پایا جاتا تھا۔ قبریں اور تعزیے بے محابا پج رہے تھے۔ غیر اللہ کے نام کی صاف صاف دہائی دی جاتی تھی۔ بدعات کا گھر گھر چرچا تھا۔ خرافات اور توہمات کا دور دورہ تھا۔ یہ صورت حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید وسنت کی دعوت دے اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ کا نعرہ بلند کرے۔

اسی کے ساتھ بیرونی حکومت اور مادہ پرست تہذیب کے اثر سے مسلمانوں میں ایک خطرناک اجتماعی انتشار اور افسوس ناک اخلاقی زوال رونما تھا۔ اخلاقی انحطاط فسق وفجور کی حد تک تعیش واسراف نفس پرستی کی حد تک حکومت واہل حکومت سے مرعوبیت ذہنی غلامی اور ذلت کی حد تک مغربی تہذیب کی نقالی اور حکمران قوم (انگریز) کی تقلید کفر کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ اس وقت ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو اس اخلاقی وذہنی انحطاط کی بڑھتی ہوئی رو کو روک سکے اور اس خطرناک رجحان کا مقابلہ کرے جو محکومیت وغلامی کے اس دور میں پیدا ہو گیا تھا۔

تعلیمی وعلمی حیثیت سے حالت یہ تھی کہ عوام اور محنت کش طبقہ دین کے مبادی اولیات سے ناواقف اور دین کے فرائض سے بھی غافل تھا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ شریعت اسلامی، تاریخ اسلام اور اپنے ماضی سے بے خبر اور اسلام کے مستقبل سے مایوس تھا۔ اسلامی علوم روبہ زوال اور پرانے تعلیمی مرکز عالم نزع میں تھے۔ اس وقت ایک طاقتور تعلیمی تحریک اور دعوت کی ضرورت تھی۔ نئے مکاتب و مدارس

کے قیام، نئی اور مؤثر اسلامی تصنیفات اور نئے سلسلۂ نشر و اشاعت کی ضرورت تھی جو امت کے مختلف طبقوں میں مذہبی واقفیت، دینی شعور اور ذہنی اطمینان پیدا کرے۔

اس سب کے علاوہ اور اس سب سے بڑھ کر عالم اسلام کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ انبیاء السلام کے طریق دعوت کے مطابق اس امت کو ایمان اور عمل صالح اور اس صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت، دشمنوں پر غلبہ اور دین و دنیا میں فلاح و سعادت اور سربلندی کا وعدہ فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام کی ضرورت دین جدید نہیں ایمان جدید ہے کسی دور میں بھی اس کو نئے دین اور نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں تھی۔ دین کے ان ابدی حقائق، عقاید اور تعلیمات پر نئے ایمان اور نئے جوش کی ضرورت تھی جس سے زمانہ کے نئے فتنوں اور زندگی کی نئی ترغیبات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

زندگی کے ان شعبوں اور ضرورتوں کے لئے جن کا اوپر تذکرہ ہوا، عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف شخصیتیں اور جماعتیں سامنے آئیں، جنھوں نے بغیر کسی دعوے اور بغیر امت سازی کی کوشش کے وقت کی ان ضرورتوں اور مطالبوں کو پورا کیا اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ انھوں نے کسی نئے مذہب اور کسی نئی نبوت کا علم بلند کیا اور نہ مسلمانوں میں کوئی تفریق اور انتشار پیدا کیا۔ انھوں نے اپنی صلاحیتوں اور عملی قوتوں کو کسی بے نتیجہ کام میں ضائع نہیں کیا۔ ان کا نفع ہر ضرر سے خالی، ان کی دعوت ہر خطرہ سے پاک اور ان کا کام ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ عالم اسلام نے اپنا کچھ کھوئے بغیر ان سے نفع حاصل کیا۔ اور مسلمان ان کی مخلصانہ خدمات کے ہمیشہ شکرگزار رہیں گے۔

ایک ایسے نازک وقت میں عالم اسلام کے نازک ترین مقام ہندوستان میں جو ذہنی و سیاسی کشمکش کا خاص میدان بنا ہوا تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب اپنی دعوت اور تحریک کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ وہ عالم اسلام کے حقیقی مسائل و مشکلات اور وقت کے اصلاحی تقاضوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں، علم و قلم کی طاقت ایک ہی موضوع اور مسئلہ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟

۔۔۔ "وفات مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ" ۔۔۔ اس مسئلہ سے جو کچھ وقت بچتا ہے۔ وہ حرمت جہاد اور حکومتِ وقت کی وفاداری اور اخلاص کی دعوت کے نذر ہو جاتا ہے۔ ربع صدی کی تصنیفی، علمی زندگی اور جد و جہد کا موضوع اور ان کی دلچسپیوں کا مرکز یہی مسئلہ اور اس کے سلسلہ میں مخالفین سے نبرد آزمائی اور معرکہ آرائی ہے۔ اگر ان کی تصنیفات سے ان مضامین کو خارج کر دیا جائے جو حیات مسیح و نزول مسیح اور ان کے دعاوی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل و مباحث سے متعلق ہیں۔ تو ان کے تصنیفی کارنامہ

کی ساری اہمیت اور وسعت ختم ہو جائے گی۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ اس عالم اسلام میں جو پہلے سے مذہبی اختلافات اور دینی نزاعات کا شکار تھا۔ اور جس میں اب کسی نئے نزاع کے برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ نبوت کا علم بلند کرتے ہیں اور جو اس پر ایمان نہ لائے۔ اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ایک آہنی ناقابل عبور دیوار کھڑی کر دیتے ہیں جس کے ایک جانب ان کے متبعین کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو چند ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ دوسری طرف پورا عالم اسلام ہے۔ جو مراکش سے چین تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جس میں عظیم ترین افراد، صالح ترین جماعتیں اور مفید ترین ادارے ہیں۔ اس طرح انہوں نے عالم اسلام میں بلا ضرورت ایک ایسا انتشار اور ایک ایسی نئی تقسیم پیدا کر دی جس نے مسلمانوں کی مشکلات میں ایک نیا اضافہ اور عصر حاضر کے مسائل میں نئی پیچیدگی پیدا کر دی۔

مرزا غلام احمد صاحب نے درحقیقت اسلام کے علمی و دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا، جس کے لئے اصلاح و تجدید کی تاریخ ان کی معترف اور مسلمانوں کی نسل جدید ان کی شکر گزار ہو۔ انہوں نے نہ تو کوئی عمومی دینی خدمت انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے۔ نہ وقت کے جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کیا۔ نہ ان کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لئے جو سخت مشکلات اور موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے۔ کوئی پیغام رکھتی ہے نہ اس نے یورپ اور ہندوستان کے اندر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی جدوجہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہے۔ اور اس کا نتیجہ صرف ذہنی انتشار اور غیر ضروری مذہبی کشمکش ہے جو اس نے اسلامی معاشرے میں پیدا کر دی ہے۔ وہ اگر کسی چیز میں کامیاب کہے جا سکتے ہیں۔ تو صرف اس میں کہ انہوں نے اپنے خاندان اور ورثاء کے لئے آغاخانی سلسلہ کے اسلاف کی طرح پیشوائی کی ایک مسند اور ایک دینی ریاست پیدا کر دی ہے۔ جس کے افراد کو روحانی سیادت اور مادی عیش و عشرت حاصل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں وہ ذہنی انتشار نہ ہوتا جس کا پنجاب، خاص میدان تھا۔ انگریزی حکومت کے اثر سے اسلامی معاشرہ میں اسلام کی بنیادیں متزلزل اور اسلامی ذہن مأوف نہ ہو چکا ہوتا۔ اگر مسلمانوں کی نئی نسل دینی تعلیمات اور اسلام کی اصلاحی و تجدیدی شخصیتوں اور نیابت انبیاء اور عظمت انسانی کی حقیقی صفات سے اتنی بے خبر نہ ہوتی اور آخر میں حکومت وقت کی پشت پناہی اور سرپرستی نہ ہوتی۔ تو یہ تحریک جس کی بنیاد زیادہ تر الہامات، خوابوں، تاویلات، اور بے کیف و بے مغز نکتہ آفرینیوں پر ہے۔ اور جو عصر جدید کے لئے کوئی نیا اخلاقی و روحانی پیغام اور مسائل حاضرہ کو حل کرنے کے لئے کوئی مجتہدانہ مقام

نہیں رکھتی۔ کبھی بھی اتنی مدت باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ جیسی کہ اس بر سر انحطاط سوسائٹی اور اس پراگندہ دماغ پراگندہ دل نسل میں رہ سکی۔ اسلام کی صحیح تعلیمات اور دعوت سے انحراف اور ان مخلصین و مجاہدین کی (جو ماضی قریب میں اس ملک میں پیدا ہوئے اور اسلام کے عروج اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا سب کچھ مٹا کر چلے گئے۔) ناقدری کی سزا خدا نے یہ دی کہ ہندوستانی مسلمانوں پر ایک ذہنی طاغوت کو مسلط کر دیا اور ایک شخص کو ان کے درمیان کھڑا کر دیا جو امت میں فساد کا مستقل بیج بو گیا ہے۔

دو سال ہوئے دمشق یونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ کے سامنے اسلام کی تاریخ اصلاح و تجدید کے موضوع پر ایک سلسلۂ تقریر کے دوران میں راقم سطور نے تحریک باطنیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

حضرات! میں جب باطنیت، اخوان الصفا اور ایران کی بہائی اور ہندوستان کی قادیانی تحریک کی تاریخ پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا نظر آتا ہے۔ کہ ان تحریکوں کے بانیوں نے اسلام اور بعثت محمدی کی تاریخ پڑھی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص تن تنہا جزیرۃ العرب میں ایک دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں نہ مال ہے، نہ اسلحہ۔ وہ ایک عقیدہ اور ایک دین کی دعوت دیتا ہے۔ اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ایک نئی امت، ایک نئی حکومت، ایک نئی تہذیب وجود میں آجاتی ہے۔ وہ تاریخ کا رخ تبدیل کر دیتا ہے۔ اور واقعات کا دھارا بدل دیتا ہے۔ ان کی بلند حوصلہ طبیعتوں نے ان سے کہا کہ اس کا نیا تجربہ کیوں نہ کیا جائے۔؟

انہوں نے دیکھا کہ وہ ذہانت، دماغی صلاحیت، تنظیمی لیاقت بھی رکھتے ہیں۔ اور پڑھے لکھے لوگ ہیں پھر کیوں نہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اور کس طرح انہیں واقعات کا ظہور نہ ہوگا۔ جو طبعی اسباب اور عمل کے ماتحت گزشتہ دور میں ہو چکے ہیں۔ ان کو امید تھی۔ کہ پھر اسی معجزہ کا ظہور ہوگا۔ جس کا تاریخ نے چھٹی صدی مسیحی میں مشاہدہ کیا۔ اس لئے کہ فطرت انسانی ناقابل تبدیل ہے۔ اور لوگوں میں ہمیشہ سے ہر دعوت قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

ان بلند حوصلہ انسانوں نے اس یکہ و تنہا ہستی کو تو دیکھا جو بغیر کسی سرمایہ اور بغیر کسی فوجی طاقت و حمایت کے ایک دینی دعوت لے کر کھڑی ہوئی لیکن اس کے پیچھے اس ربانی حمایت اور ارادہ الٰہی کو نہیں دیکھا جو اس کی کامیابی، غلبہ اور قیامت تک باقی رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور جس نے اعلان کر دیا تھا:

هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى	وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور سچے
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	دین کے ساتھ تاکہ ان سب دینوں پر غالب کرے
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ (الصف۔ ع ۱)	خواہ شرک کرنے والے کتنا ہی برا مانیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وقتی طور پر ان کی کوششیں کامیاب اور بار آور ہوئیں اور انہوں نے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں اپنے ساتھی اور پیرو پیدا کر لئے۔ ان میں سے بعض نے (باطنیہ نے) عظیم الشان سلطنت (فاطمیہ) بھی قائم کر لی اور یہ سلطنت عرصہ تک پھلی پھولی اور ایک زمانہ میں اس نے سوڈان سے مراکش تک قبضہ کر لیا، لیکن جب تک ان کی تنظیم ان کے مخفی انتظامات اور ان کی شعبدہ بازیاں باقی رہیں۔ یہ عروج بھی باقی رہا لیکن پھر وقت آیا کہ یہ سب عروج واقتدار اور یہ سب ترقی و اقبال ایک افسانہ بن کر رہ گیا۔ ان کے مذاہب ایک مختصر دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئے۔ جن کی زندگی پر کوئی اثر اور دنیا میں کوئی مقام نہیں اس کے بالمقابل اسلام جس کو رسول اللہ صلے لے کر آئے۔ وہ آج بھی دنیا کی عظیم ترین روحانی طاقت ہے۔ اور آج اس کے ساتھ ایک عظیم الشان امت ہے۔ آج بھی وہ ایک تہذیب رکھتا ہے۔ اور بہت سی سلطنتوں اور قوموں کا مذہب ہے۔ نبوت محمدی کا آفتاب آج بھی بلند اور روشن ہے۔ اور تاریخ کے کسی دور میں بھی وہ گہن میں نہیں آیا۔

مرزا غلام احمد کے ایک شعر پر تضمین

صاحبزادہ محمد حنیف اللہ صدیقی قاسمی
گمبٹ ضلع خیرپور میرس

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا رسالہ الحق چونکہ مرزائیت کے خلاف جہادِ اکبر کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس لئے میں اپنی ایک نظم فارسی جو میں نے آنجہانی مرزا صاحب کے ایک مشہور شعر ـــ کربلائیست سیر ہر آنم   صد حسین است در گریبانم کے جواب میں لکھا ہے اور جسکو بہتیں ماہروں نے معیاری قرار دیا ہے، بھیج رہا ہوں نظم یہ ہے:

گرچہ مدح حسین نتوانم — سگ ابلیس از درش رانم
کو بصد کبر بہر خود گفتہ — کربلائے نیست سیر ہر آنم
اے خبیث از چنیں چہ می گفتی — کربلائے نیست فرحت جانم
بے بلائے چوں توئی ز نسل یزید — قاتل شاہِ دین و ہم عالم
در گریبان خود تو گر نگری — طوقِ لعنت بگردنت دانم
ذاتِ خود را تو گر نمی دانی — پرس از من کہ من ترا دانم

چوں توئی کلب خارج بنجم — زان ترا کلب او ہمی خوانم
چوں توئی کور ظاہر و باطن — چوں ضیائی حسین بنمائم
رونقِ عالم از جہاد حسین — دین باقی ازو و دین عالم
عاصی بینوا ہمیں گو یاد — باد قربان بشاہ دین جانم
یا الہیٰ حنیف می گوید — خادمِ آل پاک گردانم

اندلس
کے ایک متمول گھرانے کا
کتب خانہ

احمد خان۔ ایم اے (عربی و لائبریری سائنس)
ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

چوتھی صدی ہجری میں اندلس کے تقریباً ہر شہر میں علماء کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ اور ان کے شخصی کتب خانے بھی تھے، مگر قرطبہ اس لحاظ سے تمام شہروں میں سبقت لے گیا تھا، کیونکہ یہاں کئی علمی گھرانے آباد تھے، جن کے اپنے کتب خانے برسوں سے قائم تھے۔ یہاں کے اہل علم و فضل اور متمول گھرانوں میں بنو فطیس کا مقام سب سے اونچا تھا۔ یہ خاندان قرطبہ کی سیاست میں بھی کافی دخیل تھا۔ یہاں تک کہ الحکم ثانی المستنصر (ابتدائے حکومت ۳۵۰ھ - ۳۶۶ھ) جس وقت سریر سلطنت پر بیٹھے تو ایک عام اجتماع میں اسی خاندان کے ایک فرد نے بادشاہ کے قائم مقام کی حیثیت سے تمام لوگوں سے بیعت لی[1] علم و فضل میں بھی اس خاندان کے لوگوں نے بہت نام پیدا کیا۔ ان میں عبدالرحمن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس کا نام سر فہرست ہے۔ تمول و دولت کی بدولت اس خاندان نے قرطبہ میں اپنی رہائش کیلئے الگ ایک محلہ "درب فطیس" کے نام سے برسوں سے آباد کر رکھا تھا جسکا ہر مکان اسی خاندان کی ملکیت تھا۔ اپنی ایک شاندار مسجد تھی، اس سے ملحقہ ایک عظیم عمارت تھی جس میں علمی پیاس بجھانے کیلئے ایک عمدہ کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ یہ عمارت خاص طور پر اسی مقصد کیلئے بنائی گئی تھی۔

یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کتب خانے کی بنیاد کب رکھی گئی، تاہم اتنا واضح ہے کہ ابو المطرف عبدالرحمن بن محمد کے عہد میں یہ کتب خانہ اپنی شان جلالت کے اعتبار سے قرطبہ کے تمام کتب خانوں سے بڑا تھا۔ اس کتب خانے کی تفصیل میں جانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آخری مالک

---

(۱) المقری: نفح الطیب۔ ط لیڈن۔ ج ۱، ص ۲۵۱

جس کے عہد میں اسے چار چاند لگے ہیں، کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لی جائیں۔ تاکہ ہم پر یہ بات پوری طرح منکشف ہو سکے کہ صاحب کتب خانہ کس علو مرتبت کا حامل تھا۔ کیونکہ اس سے اندازہ لگا کر کتب خانے کے بارے میں کافی حد تک صحیح رائے قائم کی جا سکے گی۔

صاحب کتب خانہ | عبدالرحمن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس بن اصبغ بن فطیس قرطبہ میں ۳۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ صاحب ابوالمطرف کنیت رکھتے تھے۔ اس زمانے کے مروجہ تعلیم کے مطابق علم حدیث بہت جلد حاصل کر لیا۔ اس مقصد کیلئے اندلس کے مختلف شہروں میں کبار محدثین سے استفادہ کیا۔ وقت کے دستور کے مطابق جن حضرات سے حدیث سنی ان سے ساری روایات لکھ بھی لیں۔ علاوہ ازیں ابوالمطرف نے ان حضرات سے بھی اکتساب علم کیا جو مشرقی ممالک سے قرطبہ میں وارد ہوئے تھے۔[۳]

بہت جلد ہی ان کے علم اور صلاحیت کی دھوم کا شہرہ شاہ وقت تک پہنچا۔ وزراء ان سے مشورے لینے لگے۔ چنانچہ انہیں شرطہ اور محکمہ مظالم سپرد کیا گیا جسے وہ خوش اسلوبی سے چلاتے رہے۔[۳] علم حدیث کے حصول میں اس قدر انہماک اور توجہ سے کام لیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں بہت اونچے مقام پر فائز ہو گئے۔ یہاں تک کہ علماء ان سے استفادہ کرنے لگے۔ ان کی علمیت کے بارے میں ابن بشکوال رقمطراز ہیں:-

كان من جهابذة المحدثين وكبار العلماء والمسندين حافظاً للحديث وعلله، منسوبا الى فهمه واتقانه، عارفا باسماء رجاله ونقلته بيصر المعدلين منهم والمجرحين، له عناية كاملة بتقييد السنن والاحاديث المشهورة والحكايات المسندة، جامعا لها، مجتهداً في سماعها وروايتها۔[۴]

ابوالمطرف نہ صرف حدیث کے ماہر تھے بلکہ اس سے متعلق کئی اور علوم سے بھی بہرہ ور تھے۔ کتاب الصلۃ ہی میں ہے:

وله مشاركة في سائر العلوم وتقدم في معرفة الآثار والسير والاخبار۔[۵]

احادیث کی کتب نہ صرف پڑھیں۔ بلکہ کافی تگ و دو کے ساتھ جمع بھی کرتے رہے۔

۲۔ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ۔ ط القاہرۃ ۱۹۵۵ء ج ۱ ص ۲۹۸

۳۔ ایضاً : ص ۲۹۹

۴۔ ایضاً : ص ۲۹۸   ۵۔ ایضاً ۱۵۸

حدیث کے پڑھانے کا کام انہوں نے اپنی مسجد میں کیا ہے۔ یہاں بہت سے لوگ استفادے کیلئے جمع ہوجاتے۔ انہیں یہ صاحب زبانی درس حدیث دیتے مگر وہ لوگ یہ سب کچھ احاطۂ تحریر میں لے آتے۔ ابو علی الغسانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالمطرف حدیث لکھوا رہے ہوتے اور لوگ بیٹھے لکھ رہے ہوتے تھے۔ علم حدیث میں شہرت کا یہ عالم تھا کہ مکہ مکرمہ، بغداد اور قیروان کے علماء نے بعض مسائل کی افہام و تفہیم کی غرض سے ابوالمطرف سے خط و کتابت کی ہے^۶ ان کے تبحر علمی کی بدولت ہی حکومت کی طرف سے انہیں قرطبہ کے ایک گروہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اور ساتھ ہی جمعہ کی نماز اور خطبہ بھی ان کے سپرد ہوا۔ کہتے ہیں یہ دونوں عمل بیک قرطبہ میں کسی قاضی میں جمع نہیں ہوسکے۔ یہ شرف صرف انہی صاحب کو حاصل ہوا ہے^۷ یہ خدمت ان کے ذمے ابوالمظفر عبدالملک بن ابی عامر کے قرطبہ میں گورنری کے ایام میں سپرد ہوئی تھی۔ ان تمام کاموں میں سب سے بڑھ کر جس سرکاری کام کو سرانجام دے رہے تھے وہ وزارت علیا میں شرطہ اور مظالم کے فرائض تھے جن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔

یہ صاحب طبیعت کے اعتبار سے اگرچہ کافی سخت تھے، اور حکومت کے انتظامی امور میں کافی ممد و معاون ہوسکتے تھے مگر تھے علمی شخصیت اس لئے تھوڑے ہی عرصے کے بعد سب سیاسی جھنجھٹوں سے ہاتھ جھاڑ کر علمی و دینی کاموں کے ہو رہے تھے^۸ اور صرف درس و تدریس اور جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ بالآخر وہ صاحب علم و فضل عظیم محدث اور محب کتب، قرطبہ میں بربروں کے

---

۶ ایضاً ۷ النباہی: تاریخ قضاۃ الاندلس۔ ط القاہرۃ۔ دارالکاتب المصری، ۱۹۴۸ء۔ ص ۸۷

۸ النباہی (متوفی ۷۹۳ھ) نے لکھا ہے کہ جب ان صاحب کو قضا اور نماز کا کام سونپا گیا تو با اوصاف ہونے کے باوجود اس عمل پر قائم نہ رہ سکے اور استقامت، استقلال کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اس لئے کہ جس شخص کی جگہ انہیں مقرر کیا گیا تھا۔ وہ (ابن ذکوان) ان سے کہیں زیادہ اچھے تھے۔ اسی لئے لوگوں کو کافی افسوس ہوا۔ چنانچہ نو ماہ کے بعد معزول کر دیئے گئے۔ دیکھئے النباہی: تاریخ قضاۃ الاندلس۔ ص ۸۶

داخلے کے وقت نصف ذی القعدہ ۴۰۲ھ میں انتقال کر گئے، انہیں اپنی مسجد کے قریب خاندانی قبرستان میں اسی روز سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے ابوعبداللہ محمد نے پڑھائی تھی۔ انہوں نے علوم قرآن و حدیث اور تاریخ میں کافی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن کی فہرست تراجم کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں[9]۔

کتب خانہ | جس عہد میں عبدالرحمٰن ابن فطیس نے آنکھیں کھولیں، اس وقت قرطبہ کی گلی گلی میں کتب خانے قائم ہو چکے تھے۔ لوگ خاندانی وجاہت، شکوہ اور علمی فضیلت کے اظہار کی خاطر بھی کتب خانے قائم کرتے تھے۔ ان کا کتب خانہ اگرچہ آباؤ اجداد سے چلا آرہا تھا مگر وہ اس قدر توجہ کا مرکز نہ بن سکا جس قدر کہ ان صاحب علم و دولت کی زندگی میں اسے دھیان دیا گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ یہ صاحب علمی اعتبار سے مروجہ اقدار کے مطابق علم سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ ان کی شہرت تقریباً تمام مسلم ممالک میں پھیل چکی تھی۔ پھر اللہ کا فضل بھی تھا کافی مال و دولت کے مالک تھے۔ طبیعت نے بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ عام اصول و دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تحصیل کے دوران انہوں نے احادیث کی بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کر لی تھیں — علاوہ بریں تمام عمر حدیث لکھ کر اس سے علمی خدمت سرانجام دیتے رہے[10]۔

اللہ نے انہیں عمدہ خط ودیعت کیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ کتاب کو باقاعدہ صحیح ترین شکل میں لکھنے کے عادی تھے۔ اپنے ہاں کتابیں بڑھانے اور ان کی تعداد میں کئی گنا اضافہ کرنے میں اکثر بڑھ چڑھ کر مستعدی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ حدیث کی تعلیم زبانی دیتے۔ مگر طلباء و علماء کو حکم دیتے کہ لکھ لیا کریں۔ ابن بشکوال نے اس امر کا ذکر یوں کیا ہے:

وکان یملی الحدیث من حفظہ فی صحیفہ و مستمل بین یدیہ علی ما یفعلہ کبار المحدثین بالمشرق والناس یکتبون عنہ۔[11]

یہ متفقہ امر ہے کہ یہ صاحب مشرق یعنی شمالی افریقہ اور جزیرہ نما عرب میں نہیں آئے۔ مگر ان کا طریق تدریس بالکل مشرقیوں جیسا تھا۔ انہی کے مطابق لوگ قلم و دوات کے ساتھ مسجد

۹۔ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ۔ ج ۱ ص ۲۹۹ — ۳۰۰

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۳۰۰

۱۱۔ ایضاً: ص۔ ۲۹۸

میں حاضر ہوتے اور شیخ الحدیث کے تمام لیکچر لکھ لیا کرتے تھے۔

اتنے بڑے اہم اور علمی کام کی سر انجام دہی میں جو چیز ابن فطیس کو امداد بہم پہنچا رہی تھی وہ ان کا خاندانی کتب خانہ تھا جس میں اس کے اپنے ہاتھ کی نقل کردہ اور دیگر مشاہیر کی لکھی ہوئی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ تھا۔

کتب خانہ کی عمارت | درب بنی فطیس کا یہ محلہ قرطبہ کے اہم محلوں میں شمار ہوتا تھا جس میں یہ علمی وسیاسی خاندان برسوں سے رہائش پذیر تھا۔ یہاں انہوں نے محلے کی تمام ضروریات مہیا کر رکھی تھیں جن میں مساجد حمام اور دیگر عوامی ضروریات کی چیزیں میسر تھیں۔ ان میں اس خاندان کی ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کے قریب ہی ایک مسجد تھی۔ اسی مسجد سے متصل ان کے کتب خانے کی عمارت تھی، جو خاص طور پر اسی مقصد کیلئے بنائی گئی تھی۔ اس کتب خانے کی عمارت کی تعمیر میں یہ بات مدنظر رکھی گئی تھی۔ کہ ایک خاص جگہ سے کتب خانے کی ساری کتابیں بیک وقت نظر آسکیں۔ چونکہ یہ عمارت بہت بڑی تھی۔ اس لئے اس امر کا نبھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس دشواری کے باوجود ان حضرات کے ذوق جمال اور کتابوں سے محبت نے اس عمارت کو نہ صرف مناسب اور عمدہ بنایا بلکہ کافی جاذب نظر بھی تھی۔ پتہ نہیں طبی نقطۂ نظر سے یا کسی اور وجہ سے ابوالمطرف نے اس عمارت کیلئے سبز رنگ پسند کیا تھا۔

چنانچہ انہوں نے کتب خانے کی پوری عمارت اندر سے اسی رنگ میں رنگ دی تھی۔ یہاں تک کہ دروازے، کھڑکیاں اور چھتیں بھی سبز کر دی گئی تھیں۔ کتب خانے میں قارئین کیلئے رکھا ہوا فرنیچر، فرش، پردے، گدے اور تکیے وغیرہ سبھی اس رنگ میں تھے۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ النباھی نے ابوالمطرف کے کتب خانے کی عمارت کی یوں تفصیل دی ہے:

> وکان بداره مجلس عجیب الصنعة، حسن الآلة، ملبس کله بالخضرة جدرانه وابوابه وسقفه وفرشه وستوره ونمارقه۔ وکل ذلک متشاکل الصفات۔ قد ملاه بدفاتر العلم ودواوین الکتب التی ینظر فیها ویخرج منها۔ وبهذا المجلس کان انسه وخلوته۔ [۱۲]

یوں تو یہ تفصیل اس قدر اچھی اور عمدہ تو معلوم نہ ہوتی ہوگی، مگر اتنی تفصیل کا ان دواوین تراجم کی کتابوں میں وارد ہونا۔ اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ امر اپنی اہمیت اور قدر ومنزلت کے اعتبار سے اس مقام

---

[۱۲] النباھی: تاریخ قضاۃ الاندلس - ص ۸۸

پر تھا کہ ابو المطرف کے سوانح نگاروں نے اس کتب خانے کی عمارت کو خاص طور پر بیان کیا، جبکہ بڑے بڑے جید علماء کی زندگیوں کے حالات صرف چند سطور سے آگے نہیں بڑھ سکے ... اس عمارت کی اہمیت اور توصیف میں جو کلمات کہے گئے ہیں اس قدر الفاظ تو بڑے بڑے شاہی کتب خانوں کی عمارتوں کو بھی میسر نہیں آسکے۔ یہ سب اس کتب خانے کی بڑائی کی عمدہ سند ہے۔

سٹاک | اس دور میں طباعت کتب اور ان کا پھیلاؤ اس قدر آسان نہ تھا جس قدر آج ہے کتابوں کے اصلی نسخوں کا حصول، پھر ان کی نقلوں کی تیاری میں بہت سی دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کاغذ کا حصول بھی ناممکن کی حد تک تھا۔ اور اگر کہیں ملتا تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس دور کے حالات پڑھتے وقت ان مشکلات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

ابو المطرف، جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا ہے، ساری عمر کتابیں پڑھنے، لکھنے اور دوسروں کی کتابیں نقل کرنے میں لگے رہے۔ ان کا خط بہت عمدہ تھا۔ اور جو کچھ لکھتے تھے اس کو باقاعدہ ضبط کیا کرتے تھے[۱۳] اسی لئے ان کی نقل کردہ کتابیں صحت اور درستی کے اعتبار سے بہت عمدہ سمجھی جاتی تھیں۔

ان کے کتب خانے میں کتابیں صرف حدیث پر ہی نہ تھیں جس طرح کہ عام طور پہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی صاحب محدث ہوتے تو ان کے ہاں صرف حدیث کی کتابیں، اگر کوئی عالم ادیب ہوتا تو صرف شعر و ادب سے متعلق کتابیں اپنے کتب خانے میں رکھتا۔ مگر اس کے برعکس ابو المطرف جو ساری عمر حدیث کی خدمت کرتا رہا، اسے پڑھتا پڑھاتا رہا، اسی علم میں نظر عمیق پیدا کرنے کی خاطر اس نے اس وقت کے مروجہ تقریباً تمام علوم کی کتابیں جمع کر رکھی تھیں۔ یہ کتابیں صرف ان علوم کی بنیادی کتابوں پہ ہی مشتمل نہ تھیں بلکہ اپنے فن اور مقدار کے اعتبار سے ابو المطرف کا کتب خانہ اس وقت کے کتب خانوں سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ چنانچہ اس کی سوانح حیات لکھنے والے سبھی حضرات متفقہ طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ:

ولہ مشارکۃ فی سائر العلوم وجمع من الکتب فی انواع العلم مالم یجمعہ احد من اھل عصرہ بالاندلس۔[۱۴]

---

[۱۳] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ۔ ج ۱، ص ۲۹۸

[۱۴] ابن فرحون الیعمری: کتاب الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب۔ ط مصر ۱۳۵۱ھ۔ ص ۱۵۰۔ ابن بشکوال، کتاب الصلۃ۔ ج ۱، ص ۲۹۸۔

ان کی وہ عظیم عمارت ایسی ایسی عمدہ کتابوں سے بھری ہوئی تھی، جیسا کہ اللباحی نے اوپر بتایا ہے:
قد ملا بد فاتر العلم و دواوین الکتب۔

اس دور میں نادر اور مشاہیر کی تحریر کردہ کتابیں جس کتب خانے میں پائی جاتی اس کیلئے ان کا وجود قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایسی کتابوں کے حصول میں ہر دم کوشاں و سرگرداں رہتے تھے۔ چنانچہ ابوالمطرف کو جب کہیں اپنے مقرر کردہ آدمیوں کی معرفت یا کسی اور ذریعے سے اس امر کا علم ہوتا کہ فلاں عالم کے پاس کسی کتاب کا نادر نسخہ ہے یا بہت عمدہ تحریر کردہ ہے تو وہ پہلے تو اس نسخے کو خریدنے کی سرتوڑ کوشش کرتے۔ کئی گنا قیمت بڑھانا تو ایک عام بات تھی۔ اس شخص کو منہ مانگے دام دینے پر بھی رضامند ہو جایا کرتے تھے۔ اور اگر کسی طور بھی وہ صاحب اس کتاب کو بیچنے پر رضامند نہ ہوتے تو اس کو کسی اور واسطے سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر پھر بھی کامیاب نہ ہوتے تو کم از کم اس کتاب کی نقل حاصل کرنے یا دوسرے نسخوں سے اس کا مقابلہ کرنے کی اجازت تو ضرور حاصل کر لیتے تھے۔[۱۵] کتب خانے میں نئی نئی اور نادر الوجود کتابوں کے اضافے کیلئے کئی وراق ملازم رکھے ہوتے تھے۔ جو دن رات کام کر کے کتابوں میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔

عملہ: اگرچہ یہ کتب خانہ برس ہا برس سے اس خاندان کے مختلف لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اور انہوں نے اسے بنانے میں اپنی ہمتیں صرف کیں ہیں۔ مگر خود ابوالمطرف نے ساری عمر اس کیلئے کام کیا ہے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ علماء کو حدیث لکھواتے تھے۔ تو لقیناً اس کے نسخے اپنے ہاں بھی محفوظ کرتے تھے۔ مگر ان سے بڑھ کر یہ صاحب خود بھی کتب خانے میں بیٹھ کر کتابیں نقل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے چھ وراق باقاعدہ ملازم رکھے ہوئے تھے۔ جنہیں حسب مراتب معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تاکہ وہ اطمینان سے یکسو ہو کر کام کر سکیں اور عجلت کی وجہ سے جو اغلاط اور اسقام رہ جاتے ہیں ان کا خدشہ نہ رہے۔[۱۶]

کسی کتب خانے کی عظمت کا اندازہ لگانے کیلئے اس کے عملے کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے اگر عمدہ قسم کے لوگ، عالم و فاضل اور کافی پڑھے لکھے ہوں تو اس کتب خانے کے سٹاک اور علو مرتبت کی دلالت ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالمطرف خود اس کتب خانے میں کام کرتے تھے۔ جن کا علم و فضل

۱۵؎ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ۱ ص ۲۹۹　　فکر و نظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۳ء ص ۵۱۶

۱۶؎ ایضاً

اوپر بیان ہو چکا ہے ۔ ان کے ہاں کام کرنے والوں میں سے سب کا علم تو نہیں ہو سکا، البتہ ایک صاحب کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ صاحب ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ بن محمد بن معلی بن ابو ثور الحضرمی (۳۲۱ھ ـــ ۳۹۶ھ) تھے ۔ یہ صاحب دراصل تھے تو لبسط کے باشندے مگر قرطبہ میں اگر سکونت پذیر ہو گئے تھے ۔ یہاں آنے سے قبل انہوں نے مروجہ علوم میں درک حاصل کر لیا تھا ۔ اسی طرح بڑے بڑے جید علماء سے کسب فیض بھی کر چکے تھے ۔ ان کے بارے میں ابن بشکوال رقمطراز ہیں :-

وکانت له عناية كثيرة لسماع العلم وتقييده وروايته وكان رجلاً صالحاً ۔ وكان حسن الخط ، جيد الضبط ۔ وكان ينسخ للقاضي ابي المطرف بن فطيس ، كتبه ويفيد مقالاته ۔ [۱۷]

یہ صاحب جب پہلے پہل قرطبہ میں آئے تو درب بنی فطیس ہی میں سکونت اختیار کی اسی محلہ کی مسجد میں ابو المطرف نے انہیں امام مقرر کر دیا ۔ اور ان سے حدیث وغیرہ بھی سنیں ۔ اسی وجہ سے انہیں یہاں کے لوگوں میں ایک مقام حاصل ہو گیا ۔ ابن فطیس اپنی کتابوں میں جہاں کہیں حدثنا الحضرمی کہتے ہیں تو اس سے مراد ان کے یہ امام ہوتے ہیں ۔ [۱۸]

ان کا خط بہت عمدہ تھا ، پوری صحت کے ساتھ کتابیں نقل کرتے ۔ ابو المطرف کی مختلف مواقع پر کی گئی تقاریر بھی ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے ۔ اس کتب خانے میں یہ صاحب کتابوں کی فہرست بنانے اور خاص واہم کتابوں کی نقلیں تیار کرنے کا کام کرتے تھے ۔ [۱۹]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو المطرف نے اپنے عملے میں کتنے عمدہ قسم کے فضلاء جمع کر رکھے تھے ۔ علاوہ بریں انہوں نے اپنے عملے میں کام کی تقسیم پڑے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور عملے کی لیاقت و استعداد کے مطابق کر رکھی تھی ۔

کتب خانے کی خدمات چوتھی صدی ہجری میں یہ تصور کرنا کہ کسی شخص کا کتب خانہ عوام کیلئے آج کی طرح کافی ضرورتیں پوری کر رہا ہوگا ۔ ایسا خیال تو بالکل غیر مناسب ہے ۔ تاہم جو کام اس وقت کے وقف کتب خانے کرتے تھے ۔ تقریباً اس کے برابر خدمات یہ کتب خانہ بھی سرانجام دے رہا تھا ۔ چونکہ اس خاندان کے سبھی حضرات اس محلے میں مقیم تھے اس لئے اجتماعی طور پر انہوں نے خواہی ضروریات

---

[۱۷] ابن بشکوال : کتاب الصلة ۔ ج ۲ ۔ ص ۵۰۶ 　　 [۱۸] ایضاً ج ۲ ص ۵۰۷

[۱۹] فکر و نظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۳ء ۔ ص ۵۱۱ ۔

کی جگہیں قائم کر رکھی تھیں، جن میں مسجد، درس و تدریس کیلئے مدرسہ اور یہ کتب خانہ ان میں شامل تھے۔ چنانچہ وہ سب اس کتب خانے سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ باہر سے آنے والے علماء اور طلاب علم بھی اس سے برابر کام میں لاتے تھے۔

کتابوں کے ضیاع کے پیش نظر انہیں ہر ایک کو مستعار نہ دینے کے بارے میں ابوالمطرف کے پوتے ابوسلیمان ہمیں بتاتے ہیں کہ:

ان القاضی جدہ کان لا یعیر کتابا من اصولہ البتہ۔ [۲۰]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خاص اور اہم کتابیں جو اصول کا درجہ رکھتی تھیں۔ انہیں تو وہ مستعار کسی کو بھی نہیں دیتے تھے۔ البتہ دوسری قسم کی کتابیں خاص خاص آدمیوں کو دے دیتے تھے.... ایسی کتابیں جن کے حصول میں ان صاحب نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔ یا جنہیں حاصل کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ ان کے حصول میں کامیابی کے بعد ان کے ضائع ہو جانے کے خدشے کے تحت کسی کو مستعار دینے کی مطلق اجازت نہ تھی۔ اسی طرح اصول کی کتابیں بھی حتی الامکان مستعار نہیں دیتے تھے۔ مگر ایسی کتابوں کے بارے میں بھی کوئی صاحب بضد ہوتے اور انہیں مستعار لینے پر مجبور کرتے تو ابوالمطرف اس کتاب کو کتب خانے کے عملے سے بہت تھوڑے وقت میں دوسرا نسخہ نقل کروا دیتے۔ یہی نہیں بلکہ اصل کے ساتھ باقاعدہ مقابلہ بھی کروا دیتے۔

یہ سب صرف اس لئے کرتے تھے تاکہ اصل نسخہ محفوظ رہے۔ کیونکہ انہیں اس امر کا تلخ تجربہ تھا کہ مستعار لینے والا کتاب کو شاذ و نادر ہی واپس کرتا ہے۔ یہ بات تو عام ہے کہ کتابیں مستعار لینے والے اکثر بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر اسے نہیں لوٹاتے۔ اس بات سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ کتابیں عوام کو مستعار دیتے تو تھے مگر اہم و خاص کتابوں کے اصل نسخے دینے کی بجائے نقل کروا دیتے تھے۔ [۲۱]
اگر وہ صاحب مستعار لی ہوئی کتاب واپس کر دیتے تو فبہا ورنہ وہ منقول نسخہ اسے ہی عطا کر دیتے تھے۔ ان کے حسن سلوک سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ کتب خانوں میں آج کل قارئین کی سہولت کیلئے فوٹو گرافی اور دیگر نقول دینے کیلئے جو خدمات سرانجام دی جاتی ہیں وہ اس وقت بھی ابوالمطرف اپنے کتب خانے میں قارئین حضرات کیلئے مہیا کئے ہوئے تھے۔

---

[۲۰] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ۔ ج ۱۔ ص ۲۹۹

[۲۱] ایضاً ۔ فکر و نظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۲ء۔ ص ۱۵م

کتب خانے کا انجام | عروس البلاد قرطبہ بارہا اجڑا اور بسا ۔ کئی علمی خزینے برباد ہوتے رہے اور پھر بنتے رہے ۔ مگر بعض دفعہ ایسے حالات بھی پیش آئے کہ جو کتب خانے برباد ہوتے ان جیسے کتب خانے اس کے بعد کے ادوار میں نہ بن سکے ۔ سیاسی زیر و بم اور ملکی بے ثباتی نے اکثر کتب خانے ختم کئے ہیں ۔ ایسے حالات ہی میں ابوالمطرف کا کتب خانہ بھی ختم ہو گیا ۔

بربریوں نے جب اندلس میں طوائف الملوکی کو ختم کرنے کیلئے اقدام کئے تو ان حالات میں عوام کی بے چینی میں خاصا اضافہ ہوا کیونکہ علمی و ثقافتی زندگی تقریباً معطل ہو گئی ۔ چیزوں کی قیمتیں بے ہنگم طریقے سے قائم ہوتی گئیں ۔ لوگ گھروں میں محبوس رہنے لگے اور معاش کے ذرائع مسدود ہو گئے تو بونفطیس کے حالات بھی کافی متاثر ہوئے ۔ رشتِ حیات کو قائم رکھنے کی خاطر ابوالمطرف کی وفات (۴۰۲ھ) کے بعد یہ علمی خاندان اپنے آباؤ اجداد کے اس عظیم و بیش بہا ورثے کو بیچنے پر مجبور ہو گیا ۔ جس جگہ ابوالمطرف درس و تدریس اور کتب لکھوانے کا کام کیا کرتا تھا ، اسی مسجد میں یہ لاثانی ذخیرہ لا کر ڈھیر کر دیا گیا ۔ اور پھر قسط وار نیلام ہوتا رہا ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ابوالمطرف کی جمع کردہ کتابیں صحت اور ضبط تحریر کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں ۔ انہوں نے کئی کتابوں کے اصول جمع کر رکھے تھے ، اسی اہمیت کی بدولت انہیں خریدنے کیلئے قرطبہ کا بہت بڑا حصہ ٹوٹ پڑا ہو گا ۔ اور انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا ہو گا ۔ مگر اس بے چینی اور بے ثباتی کے عالم میں یہ ذخیرہ ایک سال تک اس مسجد میں بکتا رہا ۔ اور تقریباً قرطبہ کے سبھی باشندے اس کی خریداری کیلئے آتے رہے ۔ ابوالمطرف کے پوتے ابوسلیمان نے اپنے چچے اور خاندان کے کئی دیگر افراد سے سنا کہ :

ان أهل قرطبة اجتمعوا لبيع كتبه جده هذا مدة عام كامل في مسجده في الفتنة في الغلاء ، وانه اجتمع فيها من الثمن اربعون الف دينار - قاسمية - [22]

اس طرح اس خاندان کو اس وقت کے چالیس ہزار سونے کے سکے (دینار قاسمیہ) حاصل ہوئے ۔ ابن فرحون کے اندازے کے مطابق اس کے عہد میں یہ رقم آٹھ لاکھ دیناروں کے برابر تھی [23]

---

[22] ابن بشکوال : کتاب الصلۃ ج ۱ ص ۲۹۹

[23] ابن فرحون : کتاب الدیباج المذہب ۔ ص ۔ ۱۵۰

جناب نور محمد غفاری ایم اے

الغرض ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر اور تاویل دونوں ایسے علم ہیں جو قرآنی معارف کی شرح و ایضاح کے لئے ضروری ہے۔ اور دونوں میں اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ تفسیر کا لفظ سارے قرآن کی تشریح پر بولا جاسکتا ہے۔ اور تاویل صرف متشابہات کی قبیل سے متعلق آیات کی وضاحت پر یا بعض آیات کے باطنی مفہوم کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر کا نام "تاویل" رکھا ہے۔ مثلاً ابن قتیبہؒ متوفی ۲۷۶ھ کی "تاویل مشکل القرآن" اور ابو منصور ماتریدیؒ متوفی ۳۳۳ھ کی "تاویلات قرآن" وغیرہ۔ تو اس کا جواب نہایت سہل ہے کہ "تاویل" کا لفظ غالباً تیسری چوتھی صدی ہجری تک تشریح قرآن کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ اس مدت تک عربی زبان کا غلبہ رہا، اور ویسے بھی تبع تابعینؒ کا زمانہ نہایت قریب ہی گزرا تھا۔ لہذا تقریباً تمام امت مسلمہ قرآنی الفاظ اور عبارت کا مفہوم بآسانی سمجھ لیتی تھی۔ لہذا مفسرین حضرات صرف مشکل القرآن اور غریب الفاظ یا متشابہات کی تفسیر پر زور دیا کرتے ہیں۔ اور یہ وہ آیات اور الفاظ تھے جن میں ظاہری مفہوم کی بجائے باطنی مفہوم بتانا مقصود تھا۔ لہذا مفسرین حضرات نے اپنی تشریحات کو "تاویل یا تاویلات" کا نام دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل دیئے جائیں گے، انہیں ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ نقلی دلائل
۲۔ عقلی دلائل

ا۔ نقلی دلائل! انہیں ہم آگے مندرجہ ذیل حصوں میں بانٹ لیتے ہیں۔
ا۔ تفسیر کی ضرورت اور تاکید قرآن حکیم کی روشنی میں۔
ب۔ تفسیر کی اہمیت وفضیلت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں
ج۔ تعامل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔
د۔ تعامل علماء امت کی روشنی میں۔

ا۔ قرآن مجید کی روشنی میں ...... کتاب اللہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کی تشریح وتوضیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذمہ داریوں میں سے ایک تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہار گانہ فرائض نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیات سناتا ہے ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان فرائض میں ایک "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" اب تعلیم نام صرف الفاظ کے پڑھ دینے کا نہیں۔ بلکہ تشریح اور تفسیر کا ہے ...... دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (نحل: ۴۴)

ہم نے (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کریں جو انکی طرف نازل کی گئی ہے۔

"تبیین کلام" تشریح وتوضیح کا ہی دوسرا نام ہے ...... ایک اور مقام پر فرمایا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ (نساء: ۱۰۵)

ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان خدا کی رہنمائی میں فیصلہ کریں۔

حاصل کلام: قرآن مجید نے بتایا کہ کتاب اللہ کی تفسیر ضروری ہے۔

ب۔ حدیث شریف کی روشنی میں ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی تفسیر

اپنے قول و فعل دونوں سے فرما کر دکھائی اور امت کو تفسیر کا حکم بھی دیا۔ اور فضیلت بتا کر ترغیب بھی دلائی۔ مثلاً

۱۔ سورہ "حدید" اور اسکی تفسیر سیکھو۔ (بحوالہ الاتقان نوع ۷۸)

۲۔ حضرت ضحاکؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قولہ تعالیٰ: "یُؤتِی الحِکمَۃَ" سے قرآن کا عطا کرنا مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "قرآن کا عطا کرنا سے قرآن کی تفسیر مراد ہے۔ کیونکہ پڑھنے کو تو نیک و بد سبھی پڑھتے ہیں۔"

۳۔ بیہقی وغیرہ نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "قرآن مجید کی تعریب (تفسیر) کرو۔ اور اس کے غریب اور نامانوس الفاظ کی تلاش میں سرگرم رہو۔"

۴۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعا فرمائی:
اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیلَ۔ اے اللہ! اسے دین کی فقاہت بخش اور تاویل کا علم عطا فرما۔

تفسیر گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت کی پیروی کرنا ہے۔

ج۔ تعامل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں بھی تفسیر قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مختلف مقامات پہ باقاعدہ حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ مثلاً مدینہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردؒ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے تلامذہ راشدہؒ اور کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کلام اللہ مجید کی تفسیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو تفسیر کرنے کا حکم اور ترغیب دی مثلاً:

۱۔ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے۔ اور اس کی تفسیر اچھی طرح نہیں کرسکتا اس کی مثال اس اعرابی کی ہے۔ جو شعر کو بے سوچے سمجھے اور غیر موزوں پڑھتا ہے۔ (فضائل القرآن لابو ذر الھرویؒ)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "بیشک مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں قرآن کی کسی ایک آیت کی تعریب (تفسیر و توضیح) کردوں۔ بہ نسبت اس بات کے کہ میں ایک آیت حفظ کرلوں۔" (عن الانباری)

اگر کاوش سے کام لیا جاسکے تو اور بہت اقوال ان حضرات سے مل سکتے ہیں۔

۵۔ تعامل علماءِ امت :- صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ان کے بعد پھر ہر دور میں تفسیر کا عمل برابر جاری رہا اور آج تک جاری ہے۔ علماء نے اپنے عمل اور تحریر دونوں سے یہ بات ثابت کر دی کہ تفسیر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر قرآن کا فہم ممکن نہیں۔ اس لئے علماء نے تفسیر کرنے کو واجب علی الکفایہ کا درجہ دیا ہے۔

علماء نے بڑی بڑی تفاسیر تصنیف کی ہیں۔ مثلاً امام رازیؒ کی "مفاتح الغیب"، "تفسیر طبری"، تفسیر "حدائق ذات البھجہ" وغیرہ ان میں سے "تفسیر حدائق ذات البھجہ" کے پانچ سو (۵۰۰) اجزاء ہیں۔

۲۔ عقلی دلائل ۱۔ حضرۃ امام ابن تیمیہؒ کی دلیل :- فرماتے ہیں: "اس بات کی تشریح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایسی زبان سے مخاطب کیا ہے جس کو وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے پروردگار عالم نے ہر ایک رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے۔ اور اپنی کتاب کو بھی اپنی قوموں کی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ پھر یہ بات کہ اب تفسیر کی حاجت کیوں رہی؟ تو اس کا جواب ایک قاعدہ کی قرارداد کے بعد دیا جائے گا۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو شخص کتاب تصنیف کرتا ہے، وہ صرف خود ہی سمجھنے کے لئے تصنیف کرتا ہے۔ اور اس کی کوئی شرح نہیں کرتا۔ لیکن اس کتاب کی شرح کی حاجت تین وجوہ سے پڑتی ہے۔

اوّل :- ان میں سے پہلی بات مصنّف کی فضیلت کا کمال ہے کہ وہ علمی قوت کی وجہ سے وجیز لفظوں میں دقیق معنی کو جمع کر دیتا ہے۔ اس لئے بعض اوقات مصنّف کی مراد کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں شرح سے ان مخفی معنوں کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے جو اپنی تصانیف کی شروح خود ہی لکھی ہیں، وہ بہ نسبت ان شروح کے جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں، بہت زیادہ مراد پر دلالت کرنے والی ہیں۔

دوم :- دوسری بات یہ ہے کہ مصنّف اپنی کتاب میں چند مسائل کی وضاحت کے لئے کچھ مزید باتیں اور شرطیں اس خیال سے نظر انداز کر دیتا ہے کہ وہ امور اور شروط واضح چیزیں ہیں یا ان کو درج نہیں کرتا کہ ان چیزوں کا تعلق کسی دوسرے علم سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالتوں میں شرح کرنے والے کو امر محذوف اور اس کے مراتب کے بیان کی حاجت پیش آتی ہے۔

سوم :- تیسری بات یہ ہے کہ لفظ میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مجاز، اشتراک اور دلالت التزام کی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اور ان صورتوں میں شارح پر لازم ہے کہ وہ مصنّف کی غرض کو بیان کرے اور اسے دوسرے معنوں پر ترجیح دے۔

ان تین باتوں کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بشری تصانیف میں وہ باتیں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ جن سے کوئی بشر خالی نہیں۔ مثلاً تسامح، تکرار اور اسی نوع کے دیگر نقائص۔ لہٰذا شارح کو ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ مصنف کی ان لغزشوں کا بھی اظہار کر دے۔

اب جب یہ بات ٹھیک قرار پا گئی، تو اب ہم کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا نزول محض عربی زبان میں ہوا اور عربی بھی کس دور کی۔؟ افصح العرب کے زمانے کی زبان! پھر ان لوگوں کو بھی قرآن کے ظاہر امور اور احکام ہی کا علم ہوتا تھا لیکن اس کے اندرونی مفہوم کی باریکیاں ان پر اسی وقت منکشف ہوتی تھیں جب وہ بحث و تمحیص سے کام لیتے یا غور و خوض کرتے تھے۔ اور اکثر باتوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے۔ مثلاً جس وقت خداوند اقدس کا یہ ارشاد گرامی نازل ہوا۔ وَلَمْ یَلْبِسُوا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ۔ نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا۔ (یعنی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا) اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ کریمہ کے لفظ "ظلم" کی تفسیر "شرک" کے ساتھ فرمائی اور اس پر دوسری آیت: "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" کو بطور دلیل کے پیش کیا۔ یا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "حِسَابًا یَّسِیْرًا" کی بابت سوال کیا تھا کہ وہ کیا ہے۔؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ "عرض" (یعنی اعمال کا صرف پیش کرنا) ہے۔ اور جیسے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قصہ "اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ" کے متعلق ہوا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی دوسری باتیں ہیں۔ جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ایک کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔

اور ہم لوگ بھی ان باتوں کے محتاج ہیں، جن کے محتاج حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ علاوہ ازیں ہمیں احکام ظواہر میں سے بھی ایسے امور کے علم کی حاجت کی احتیاج ان حضرات رضی اللہ عنہم کو ہرگز نہ تھی اور ہماری اس احتیاج کا سبب ہمارا بغیر سیکھے ہوئے احکام لغت کے مدارک (فہم) سے قاصر ہونا ہے۔ لہٰذا ہم کو تمام لوگوں سے بڑھ کر تفسیر کی ضرورت اور حاجت ہے۔

اور یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ قرآن شریف کے بعض حصہ کی تفسیر صرف وجیز الفاظ کی شرح کرنے اور یہ بات ان کے معنی کو منکشف کر دینے سے ہو جاتی ہے۔ اور بعض مقامات کی تفسیر چند احتمالات میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے ہوتی ہے۔ (بحوالہ الاتقان۔ نوع ۸۰)

۲۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تمام اشخاص یکساں فہم و فراست، تفکر و تدبر اور صلاحیت و قابلیت کے نہیں ہوتے۔ کوئی کج فہم ہے تو کوئی زود فہم اور کوئی ذکی ہے ——— تو کوئی بالکل غبی۔

اس وجہ سے کسی بات یا کلام کو سمجھنے میں ہر ایک یکساں نہیں ہوتا۔ پھر عام لوگوں کا کلام تو الگ رہا جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہو جس کی جامعیت، بسط، ہمہ گیری اور وسعت کا کچھ ٹھکانہ نہیں جس میں بیشمار مطالب، فصاحت و بلاغت، اوصاف کلام اور معنی و بدیع کا ایک چمن کھلا ہوا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسے کلام کی تشریح و تفسیر ایک ضروری چیز ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں۔

۳۔ پھر قرآن ایک پہلو سے اصول و کلیات کی کتاب ہے۔ جس میں جزئیات نگاری سے کام نہیں لیا گیا۔ اور نہ ہی اس میں فروعی باتوں کو کھپانے کا اہتمام کیا گیا ہے ——— ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان اصول و کلیات کی تشریح اور جزئیات و تفصیلات کی تعیین و تفسیر ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر قوانین و احکام کی تفصیلی صورت، حدود و قیود اور ان کا اطلاق واضح طور پر متعین ہونا چاہئے۔ اور اس ضرورت کو تفسیر پورا کرتی ہے۔

الغرض، مندرجہ بالا عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر کس قدر ضروری ہے۔ اس کے ذریعے ہی ہمیں اس کتاب مقدس کا فہم حاصل ہوگا۔ جس میں ہماری دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا راز پنہاں ہے۔

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

(۲)

محترم جناب مظفر عباسی — (مری)

لفظ ایک زبان سے ہجرت کر کے دوسری زبان میں جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔؟ اور اسکی صورت کس طرح مسخ کی جاتی ہے۔؟ اس کا اندازہ عربی کے لفظ "امیر" سے کیا جا سکتا ہے۔

امیر امیر عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں صاحب امر یعنی حاکم، انچارج، نگران وغیرہ چونکہ صاحب امر یعنی حاکم مال و دولت کا مالک بھی ہوتا ہے۔ اس نسبت سے اردو میں امیر مالدار کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔ یعنی اردو والوں نے لفظ کے مفہوم میں تبدیلی یا تخصیص کی ہے۔ اسکی صورت مسخ نہیں کی۔ البتہ اہل یورپ نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

مسلمان یورپ میں سپین کے راستے گئے تھے۔ اور سپین فتح کرنے کیلئے مسلمانوں نے بحر روم کو عبور کیا تھا۔ گویا مسلمانوں کی بحری فوج نے سپین فتح کیا۔ اور اسی فوج کے مجاہد فرانس پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان مجاہدوں کا سپہ سالار بحری فوج کا کمانڈر "امیر بحر" کہلاتا تھا۔ اہل فرانس نے "امیر البحر" کی اصطلاح اپنائی اور اس سے "بحر" حذف کر دیا۔ "بحر" کا لفظ حذف کرنے کے بعد انہیں صرف امیر کا لفظ اپنانا چاہیئے تھا۔ لیکن عربی زبان سے واقف نہ ہونے کے باعث انہوں نے "بحر" کے شروع میں واقع "ال" امیر کے ساتھ جوڑ کر "امیرال" بنا لیا اور اس طرح فرانسیسی زبان میں بحری فوج کے نگران کو AMIRAL (امیرال) کہا جانے لگا۔ انگریزوں نے یہ لفظ اپنایا۔ تو انہوں نے شروع شروع میں صرف اہل فرانس کی نقل پر اکتفاء کیا اور AMIRAL (امیرال) ہی بولتے اور لکھتے رہے۔ چنانچہ پرانی انگریزی میں یہی لفظ ملتا ہے۔ بعد میں اسکی صورت مسخ کر کے اسے ADMIRAL (ایڈمرال) بنا دیا اور آج کل بحری فوج کے

نگران یا صاحب امر کے لئے ADMIRAL (ایڈمیرال) مستعمل ہے۔

غور فرمایا آپ نے کہ فرانس والوں نے لفظ کی صورت اس طرح بدلی کہ "بحر" کے شروع میں کلمہ تعریف یعنی "ال" واقع تھا اسے اپنی ناسمجھی کے باعث "امیر" کے آخر میں جوڑ دیا۔ اور "امیر" کو "امیرال" بنا ڈالا۔ اور فرانس والوں سے انگلینڈ والوں نے جب یہ کلمہ مستعار لیا۔ تو اس میں "ایڈ" کا اضافہ کر کے ایڈمیرال (ADMIRAL) بنا دیا۔

معنوی اعتبار سے بھی تحریف کی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ "امیرال" یا "ایڈمیرال" ہر قسم کے نگران، سردار، یا صاحب امر کے لئے نہیں بلکہ صرف بحری فوج کے نگران اعلیٰ کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ بحر حذف کر دیا تھا۔ تو اس لفظ کی عمومیت باقی رہنی چاہیے تھی۔ اور نہ صرف فوج بلکہ ہر شعبہ کے نگران کو "امیر" یا "ایڈمیرال" کہنا چاہیے تھا۔

جبل الطارق | سپین، امیر البحر، اور مسلمانوں کی بحری فوج کے ذکر سے ایک اور لفظ یاد آیا جس کی اہل یورپ نے صورت مسخ کر کے ایک مثال اور نمونہ فراہم کیا ہے۔ یہ ہے "جبل الطارق" پرانے اندلس اور موجودہ سپین کے جنوبی ساحل پر ایک شہر آباد ہے، جس کا نام GIBRALTAR (جبرالٹر) ہے۔ یہ عربی لفظ جبل" اور "طارق" کا مرکب ہے۔ یعنی طارق کا پہاڑ۔ یہ وہ پہاڑی مقام ہے جہاں طارق بن زیاد کی سرکردگی میں مسلمانوں کی بحری فوج نے سرزمین اندلس میں پہلی چھاؤنی لگائی تھی۔

اہل یورپ نے "جبل الطارق" کی صورت مسخ کر کے GIBRALTAR (جبرالٹر) بنا لیا ہے۔ یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ لفظ عربی کے جبل الطارق سے لیا ہے، لیکن کسی قاعدے قانون کی نشاندہی نہیں کر سکتے جس کے مطابق "جبل" کو "جبرال" اور "طارق" کو "ٹر" بنا لیا ہے۔

غالباً "امیر البحر" کی طرح "جبل الطارق" میں "الطارق" سے "ال" جبل کے ساتھ لگا لیا گیا ہے۔ اور جبل کے "ل" کو "ر" سے بدل ڈالا ہے۔ اس طرح جبل "جبرال" بن گیا۔ باقی رہا "طارق" سو اس کا "ق" حذف کر کے "طار" باقی رکھا۔ جو تلفظ میں TAR یعنی ٹار اور پھر "ٹر" بن گیا۔

"ل" اور "ر" (L اور R) کا آپس میں ایک دوسرے سے بدل جانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ خود عربی میں "سیر" اور "سیل" دو لفظ ہیں جن میں "ر" اور "ل" کا فرق ہے۔ اور معنی کم و بیش ایک ہیں۔ ہمارے ہاں اردو میں "سیر" کا اسم فاعل "سیلانی" مستعمل ہے۔ اگر "ر" اور "ل" آپس میں نہ بدلتے تو یا "سیر" کا اسم فاعل "سیرانی" ہوتا یا سیلانی کا مادہ "سیل" ہوتا۔

حشیش | حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں۔ بھنگ نشہ آور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ

قاتلوں کی ایک جماعت تھی جس کے افراد حشیش یعنی بھنگ پی کر قتل و غارت کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو "حشیش" یعنی "بھنگ والے" کہا جاتا تھا۔
صلیبی جنگوں میں اہل یورپ نے مسلمان مجاہدوں کو بے جگری اور بہادری سے لڑتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ لوگ بھنگ پی کر لڑ رہے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ ہر اس شخص کے بارے میں حشیش کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔ جو قتل و غارت کا مظاہرہ کرتا۔ پھر یہ لفظ قتل کے معنوں میں اہل یورپ نے اپنایا۔ اور حشیشین "جو حشیش سے جمع تھا، واحد فرض کر لیا۔ اور اسکی صورت ASSASSIN (اساسین) بن گئی۔ اب اہل یورپ نے اپنی زبان میں مزاج کے مطابق اس میں رد و بدل کر کے اس سے حسب ذیل کلمات بنائے

ASSASSIN	(اساسین)	قاتل
ASSASSINATION	(اساسی نیشن)	قتل
ASSASSINATE	(اساسی نیٹ)	قتل کرنا
ASSASSINATED	(اساسی نیٹڈ)	مقتول
ASSASSINATOR	(اساسی نیٹر)	قاتل

حشیش سے ایک اور لفظ یاد آیا جسے اہل یورپ نے بگاڑا ہے۔ اور وہ ہے۔ "شرقیین" جو "شرقی" کی جمع ہے۔

شرقیین شرقیین عربی لفظ ہے۔ جو مشرق کیطرف منسوب ہے۔ اور جمع ہے۔ جن ممالک میں اسلام کی پہلے پہل اشاعت ہوئی اور جن ملکوں سے مسلمان مجاہدوں نے شروع شروع میں علم جہاد بلند کیا تھا۔ وہ سب ملک براعظم یورپ کے مشرق میں واقع ہیں۔ اس نسبت سے یورپ والوں نے مسلمانوں کو مشرقی لوگ کہنا شروع کر دیا۔
"مشرقی لوگ" ایک اصطلاح بن گئی تھی جس کیلئے عربی میں لفظ مشرقین تھا۔ یونانیوں نے سب سے پہلے شرقیین کی اصطلاح استعمال کی اور مسلمانوں کو SARAKENOS (سارا کی نوس) کہنے لگے غالباً یونانیوں نے یہ لفظ "شرقیون" سے لیا تھا۔ جو "شرقیین" ہی کی ایک صورت ہے۔ یونانی زبان سے یہ لفظ لاطینی زبان میں گیا تو اسکی املا SARACENUS (سارا کی نوس) ہو گئی۔ گویا یونانی لفظ میں K (ک) تھا۔ اور لاطینی میں C (ک) ہو گیا۔ یہ صرف املا کی تبدیلی تھی۔
تلفظ میں فرق نہ تھا۔ اس لئے کہ لاطینی میں C (ک) کی آواز دیتا ہے۔ لاطینی سے یہ لفظ

انگریزی میں 'یا' تو املا میں ء باقی رہا، لیکن اسکی آواز بجائے "ک" کے "س" کی ہوگئی اور اس طرح یہ لفظ SARACEN (سراسین) بن گیا۔ باقی رہا یونانی لفظ کا آخری جزو "OS" اور لاطینی "OS" سو یہ شروع میں ہی زائد تھے۔ سو انگریزوں نے انہیں حذف کر دیا۔

SARACEN (سیراسین) اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ایک لفظ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں جاتا ہے۔ تو اپنے جملہ خواص اور معانی و مطالب کے ساتھ نہیں جاتا۔ بلکہ کوئی ایک آدھ وصف ساتھ لے جاتا ہے۔ غور فرمائیں "شرقیین" کے معنی ہیں "مشرقی لوگ"۔ لیکن یورپ میں SARAKENOS یا SARACEN کے معنی صرف مسلمان کے ہیں۔ چنانچہ اہم کتاب A SHORT HISTORY OF SARACEN صرف مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ اور اسکے اردو ترجمہ کا نام تاریخ اسلام تجویز کیا گیا ہے۔

حاصل کلام | امیر، جبل الطارق، حشیش اور شرقیین عربی کلمات ہیں۔ اہل یورپ خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے امیر البحر سے ADMIRAL جبل الطارق سے GIBRALTAR حشیش سے ASSASSIN اور شرقیین سے SARACEN کے کلمات بناتے ہیں۔

ان کلمات کا عربی الاصل ہونا کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا۔ ہم نے صرف اس لئے انہیں لیا ہے۔ کہ قارئین کرام اس امر کا اندازہ فرما سکیں کہ :-

۱۔ جب ایک لفظ ایک زبان سے دوسری زبان میں جاتا ہے تو اسکی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس لفظ کے معنی میں تحریف ہو جاتی ہے۔

۳۔ جب لفظ کسی زبان میں ہجرت کر کے جاتا ہے۔ تو اس زبان کے مزاج کے مطابق اس میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۴۔ املا میں ایک حرف ایسا آجاتا ہے جس کا تلفظ مختلف زبانوں میں مختلف ہوتا ہے اس طرح بسا اوقات لفظ کی صورت ایک ہی رہتی ہے۔ لیکن اس کا تلفظ بدل جاتا ہے۔

سمندر | ہم نے امیر البحر کے بیان میں عرض کیا ہے کہ یہ لفظ "امر" تھا۔ اس سے "امیر" اور "امیر البحر" بن گیا۔ یہاں تک تو یہ عربی ہی رہا۔ پھر فرانسیسی میں جاکر AMIRAL اور انگریزی میں پہنچ کر ADMIRAL بن گیا ہے۔ فرانسیسی یا انگریزی لفظ میں MIR کا مادہ موجود ہے۔ بعض نے اس سے دھوکا کھایا اور سمجھ لیا آبدوز کو جو SUBMARINE (سب میرین) کہتے ہیں۔ اس میں MARINE

اسی AMIRAL یا ADMIRAL کے MIR سے ماخوذ ہے جس کے معنی سمندر کے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ بہت دور کا قیاس ہے۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے۔

سمندر کیلئے یورپ کی جدید زبانوں میں مندرجہ ذیل کلمات پائے جاتے ہیں۔ فرانسیسی میں MER ہسپانوی اور پرتگالی میں MAR اطالوی میں MARE روسی میں MORE اور یورپ کی جدید زبانوں کی تازہ زبان "اسپرانتو" میں MARO۔ ذرا غور فرمائیں۔ میر، مار، مور اور مارو میں کم و بیش مار کی آواز مشترک ہے۔ یہ عربی میں پانی کے معنی دیتا ہے۔ باقی رہا R (ر) کا سوال سو ممکن ہے یہ زائد ہو جس طرح SARACEN کے آخر میں یونانیوں نے OS اور لاطینی لینے والوں نے OS کا اضافہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم MARE کو دو عربی کلمات سے مرکب تسلیم کر لیں یعنی "ما" اور "ری" یا "ریان" سے تو بھی اہل علم ہماری تردید نہیں کریں گے۔ اس صورت میں سمندر کے لئے اطالوی زبان کا لفظ MARE (مارے) عربی کے "ما ری" سے اور انگریزی کلمہ MARINE عربی کے "ما ریان" سے ماخوذ ہوگا۔ باقی زبانوں کیلئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح اہل یورپ نے GIBRALTAR میں طارق کا "ق" حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے "ما ری" سے "ی" یا "ما ریان" سے "یان" حذف کر دیا ہے۔

"ری" اور "ریان" کے معنی پانی، سیرابی اور تر و تازگی کے ہیں۔ گویا MARINE کے معنی ہوئے "ما ریان" بہت زیادہ پانی یعنی سمندر۔

آبدوز سطح سمندر سے نیچے پانی میں چلنے والی ایک کشتی کا نام ہے جو سمندری لڑائی میں کام آتی ہے۔ اہل یورپ اسے SUBMARINE (سب میرین) کہتے ہیں۔ SUB کے معنی ہیں تحت نیچے، زیر۔ اور MARINE (میرین) کے معنی ہیں پانی، سمندر، دریا۔

یورپ کی زبانوں کی ایک دوسری شاخ میں سمندر کیلئے یہ الفاظ ہیں۔ انگریزی میں SEA (سی) جرمن میں SEE (سی) اور ہالینڈ والوں کی ڈچ زبان میں ZEE (زی) عربی میں ایک مادہ "ساح" ہے جس کے معنی ہیں پانی کا کثرت اور فراوانی سے بہنا ہے۔ اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ انگریزی جرمن اور ڈچ میں سمندر کے لئے جو الفاظ ہیں وہ عربی کے اسی مادے "ساح" یا "سیح" سے ماخوذ ہوں۔ "ح" اہل یورپ کیلئے اجنبی حرف ہے، ویسے بھی آخر میں واقع ہونے کے باعث اسکی آواز نمایاں نہ تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے "سیح" کو "سی" بنا کر اپنا لیا ہے۔ (جاری ہے)

شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری کا مکتوب بنام ایڈیٹر الحق

ہر مومن کے دل میں یہ یقین راسخ ہو جائے کہ کسی قادیانی کے چھو جانے سے بھی کپڑے اور جسم ناپاک ہو جاتے ہیں۔

ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
یکم رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

محترم و مکرم جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق سلام مسنون قبول کریں۔

ماہنامہ الحق آپ کے ارسال فرمودہ پانچ شماروں کی صورت میں بصیرت افروز ہوا۔ جن میں بہت کچھ ان مسائل کے بارے میں زیر مطالعہ ہے۔ جو ہم سب کلمہ طیبہ کا ورد ہر آن بر زبان رکھتے ہوئے درپیش ہیں۔ اور میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ کہ اس بوڑھے از کار رفتہ کو آپ نے نوازا۔۔۔ میری صحت ایسی نہیں ہے۔ کہ میں کسی موضوع پر طولانی نثریہ لکھوں۔ ۱۹۵۶ء میں میرے دماغ کی رگیں پھٹ گئی تھیں۔ پھر ۱۹۶۵ء میں کشمیر میں شریک تھا۔ سر بھی زخمی ہوا۔ پے در پے مختلف امراض تشریف لاتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں دل صاحب نے آرام فرمانے کی ٹھہرائی۔ بہرحال ابھی آرام کی اجازت نہیں دی گئی۔۔۔

شاید پروردگار عالم مجھے میری نالائقی کے نتائج اس دنیا میں دکھا کر یاد فرمانا چاہتے ہیں۔۔۔ ۷۴ برس کی ہے۔ ۱۹ برس کی عمر سے آپ حضرات کا ہمنوا ہم منزل ہوں، اور آپ حضرات ہی کی نقابت کا ساتھی۔۔۔ لیکن قافلہ جس کے ہم سب نقیب ہیں۔ آپ جیسے بڑے بھی اور مجھ ایسے چھوٹے بھی۔۔۔ یہ قافلہ نام تو اسی منزل کا لیتا ہے۔ جو کلمہ طیبہ کا مقصود واحد ہے۔ لیکن رخ ہر فرد قافلہ کا اللہ اور رسول اللہ کی طرف نہیں ہے۔ محض اپنی ذات کے اندر ہزاروں جمع کردہ بتوں کی طرف ہے۔۔۔

ایسا کیوں ہے ---- میں اپنی آواز کو جو ۱۹۱۹ء سے روز و شب (بطور شاعری بھی) لاکھوں کے درمیان بلند کرتا رہا ہوں۔ صدا بصحرا ہی پا رہا ہوں ---- اور مان رہا ہوں۔ کہ میں نالائق اور ناکارہ ہوں۔ اور اس اعتراف کے باوجود دل کہتا ہے۔ کہ یہ فریضہ ہے ادا کرتے رہو۔

مگر مجھے ان تمام علماء کرام کے بارے میں آپ سے پوچھنا ہے۔ کہ ان کی تلقین کیوں اس ملت کو راہ پر نہیں لا سکی ---- جنکی آواز کی بازگشت آپ۔ سب اور مجھ ایسے ہیں ---- اور کروڑوں میں محض چند سینکڑے ہیں جن کے اندر خود بھی کوئی رشتہ" اتحاد افسوس مجھے تو نظر نہیں آیا۔ دوسرے علماء اور آپ بھی مبلغ حق ہیں۔ پھر باطل پر (یعنی اس باطل پہ جسکی راہوں پر قافلہ چلتا جا رہا ہے۔) کسی کی ضرب کارگر کیوں نہیں۔ آپ فرمائیں گے۔ کہ لوگ اصل اسلام پر عمل نہیں کرتے۔ یا بتائیں گے کہ ان کو گمراہ کیا گیا ہے۔ یعنی گمراہ کرنے والے وہ طریق اظہار جانتے ہیں۔ جو کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کلمہ سے پھیر دے۔ لیکن راہ پر لانے والے کی زبان اور بیان اور اسلوب میں تو خاص نقص ہے۔ کہ ان کے ارشادات غیر موثر رہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ یا اور کوئی محترم سادہ زبان میں میری اس گذارش پر توجہ فرمائیں۔ اور الحق میں اپنے خیالات کا (اگر میرا سوال نامناسب نہیں) اظہار کریں۔

۲- آج مسلمانان عالم کو فتنہ دجالیہ کی ابتلاء کچھ ایسے انداز سے درپیش ہے۔ کہ مجھے یہ فرزندان دجال جنکو امت قادیانہ کا نام دیا گیا ہے۔ پاکستان پر بزور قبضہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔

مولانا سمیع الحق جی! رسائل و اخبارات اور جلسوں اور تقریروں سے آپ اس فتنے کو نہیں روک سکتے۔ وہ آپ (یعنی تمام مسلمانان عالم پر) آخری ضرب لگا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں تحریری و تقریری محاذات کے ساتھ ساتھ انتہائی تحمل اور استقلال کے ساتھ وہ طریق اختیار کرنا ہوگا۔ اور جلد کرنا ہوگا۔ کہ جلد از جلد ہر وہ شخص جو کلمہ طیبہ پر یقین رکھتا ہے۔ اگر قادیانی اس سے پھر بھی جائے تو وہ اس ناپاک کے چھونے سے اپنے جسم کو بھی اپنے کپڑے کو بھی ناپاک خیال ہی نہ کرے۔ بلکہ تلقین کرے اور قادیانی ---- کو بتا دے۔ کہ خبردار پرے رہ کر بات کرو ---- مولانا میں چاہتا ہوں یہ تحریک تحریروں اور جلسوں اور تقریروں سے نہیں۔ ہر گلی کوچے میں جہاں مسلمان رہتے بستے ہیں۔ حلقے بنائے جائیں۔ اور ان کو ایمان سمجھانے اور رسول اللہ کے بعد کسی اور کو نبی ماننے والے کو ---- سمجھے

خدا کرے میرا یہ خط آپ کو ناپسند نہ ہو ---- میں آجکل ذہنی طور پر با ربط تحریر سے قاصر ہوں۔

والسلام۔ دعاگو

حفیظ

تبرکات و نوادر

قسط ۲

مشاہیر علماء کے خطوط

مکاتیب طیب

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند
بنام حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ

(۱۶) حضرت المخدوم المحترم زیدۃ معالیکم

سلام مسنون نیاز مقرون ۔ آں محترم کے کئی والا نامے شرف صدور لائے ۔ اور احقر نے جوابات تحریر کرکے سپرد ڈاک کئے ۔ مگر اس والا نامہ سے جو ۱۰ ر شوال ۱۳۷۷ھ کا تحریر فرمودہ ہے ۔ معلوم ہوا ہے کہ میرے عرائض دستیاب نہیں ہوئے ۔ مخدوما ! بندہ تو آپ حضرات کی زیارت کا خود خواہش مند ہے ۔ مگر آپ حضرات گھر بلاتے ہیں ۔ اور گھر کے دروازہ پر مضبوط قسم کا قفل لگا کر جب ویزا نہ ملے تو حاضر کس طرح ہوں ۔ گذشتہ سال ذی قعدہ کے مہینہ میں ویزہ ملا تھا مگر کئی ماہ کی سعی کے بعد اس سال وہ سعی جو کئی ماہ سے جاری ہے ، بے سود ثابت ہوئی ۔ اس لئے بجز حسرت و افسوس اور کیا کیا جائے ۔ میری غرض پاکستان حاضر ہونے سے آپ ہی بزرگوں کی زیارت اور اقرباء سے ملاقات ہوتی ہے ۔ میں تو دل وجان سے حاضری کے لئے مستعد ہوں ۔ مگر میرے بس میں کچھ نہیں ۔ اس وقت سعی بھی نہیں ہو سکتی ، کیونکہ امسال حج کا قصد ہے ۔ انشاء اللہ وسط ذی قعدہ میں دیوبند سے روانگی ہو گی ۔ جس کے کل ستائیس اٹھائیس دن باقی ہیں ۔ اس لئے اب جو بھی سعی ویزہ کے لئے ہو سکتی ہے وہ حج سے واپسی کے بعد ہی ممکن ہے ۔ دعاء فرماویں کہ حق تعالیٰ حج مبرور کے ساتھ مع الخیر واپسی نصیب فرماویں ۔ اور پھر آپ حضرات کی زیارت کا موقع بھی عطا فرماویں ۔ ڈیرہ غازی خان سے بڑی لڑکی اور کراچی سے چھوٹی لڑکی بار بار لکھ رہی ہیں ۔ انہیں بھی یہی لکھا ہے کہ تم لوگ اگر یہاں آسکو تو آکر مل جاؤ ۔ میری حاضری سردست ہونے نہ ہونے کے برابر ہو رہی ہے ۔ بہرحال دعا کا خواستگار ہوں ۔ اور زیارت کا خود طلبگار

پرسانِ حال حضرات کو سلام مسنون عرض ہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا۔ والسلام۔ ۸ رجب ۸۷ھ

---

(۱۷)

حضرت المحترم زید مجدکم

سلام مسنون، نیاز مقرون۔ تعزیت نامہ باعث تسلی ہوا آپ نے اس ہمہ گیر غم میں[1] ہم لوگوں کو یاد رکھا۔ اور ہمارے شریک غم ہوئے اس کا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ کے پیغام تعزیت سے مجروح دلوں کو بہت تسلی اور تسکین حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت مدنی کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم بخشے پسماندوں کو صبر جمیل دے۔ اور دارالعلوم اور ملک کو حضرت کا بدل نصیب فرما دے آمین۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام۔

---

(۱۸)

نحمدہ ونصلی

حضرت المخدوم المحترم زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— مکرمت نامہ مع عنایت سالم[2] ومسودہ تقریر[3] شرف صدور لایا۔ ہدیہ مسودہ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ وہاں کی قیام میں سیری نہیں ہوئی۔ آپ کو حق تعالیٰ نے جن امور خیر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہے حق تعالیٰ برکت دے اور دارالعلوم حقانیہ کو روز بروز ترقیات عطا فرمائے۔

مسودہ تقریر پہنچ گیا ہے۔ اس قیام کے دوران میں بہت ہی تنگ معلوم ہو رہا ہے۔ کہ میں اس مسودہ

---

[1] حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا سانحہ ارتحال، یہ تعزیتی خط کے جواب میں جو علم وعرفان جہاد وعزیمت کی دنیا کیلئے ایک ہمہ گیر وعالمگیر غم کا واقعہ تھا"

[2] حضرت مولانا محمد سالم قاسمی حضرت قاری صاحب مدظلہ کے فرزند اکبر حال مدرس دارالعلوم دیوبند۔

[3] دارالعلوم حقانیہ کے تاریخی اجلاس دستاربندی منعقدہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۰-۲۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں حضرت حکیم الاسلام نے رات کی نشست میں علم کی فضیلت اور انسانیت کے امتیاز اور شرافت کے موضوع پر ایک نہایت ہی عالمانہ تقریر فرمائی جسے مولانا شیر علی شاہ نے حتی الوسع قلمبند کرنے کی سعی کی پھر حضرت مدظلہ کی خدمت میں نظر ثانی کیلئے بھیجی گئی۔ حضرت نے باوجود گوناگوں مصروفیات کے نظر ثانی ہی نہیں بلکہ اپنے الفاظ میں گویا سارا مسودہ از سر نو خود ہی لکھ دیا۔ اور اس کا عنوان "انسانی فضیلت کا راز" تجویز فرمایا۔ جبکہ احقر نے عنوانات وغیرہ

کو دیکھ سکوں. ہر وقت لوگ گھیرے رہتے ہیں۔ یا پھر جلسے اور مجامع ہیں۔ تاہم سعی کروں گا کہ اس قیام کے دوران اس مسودہ کو دیکھ سکوں. اگر دیکھ پایا تو بذریعہ ڈاک رجسٹری کر دوں گا۔ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ تحیۃ وغیرہ کا بہت بہت شکریہ عرض ہے۔ دعا کا مستدعی ہوں۔ والسلام۔ ۳۱ ۔۱۔ ۵۸ھ

---

(۱۹) حضرت المحترم زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون ۔ تقریر کا مسودہ نظر ثانی کرنے کے بعد ارسال ہے۔ کاتب نے نہایت ہی ظلم کیا کہ چھوٹے چھوٹے اوراق پر مسودہ لکھا۔ نہ حاشیہ چھوڑا نہ صفحہ بڑا رکھا۔ اس لئے مجھے حذف و ازدیاد میں سخت دشواری پیش آئی۔ پھر میری تعبیر پوری طرح ادا نہیں کی اس لئے گویا مجھے سارا مسودہ از سر نو خود ہی لکھنا پڑا۔ تاہم باوجود غیر معمولی مصروفیت کے رات دن لگ کر اسے مرتب کیا۔ کئی راتیں ایک ایک بجے اور دو دو بجے تک جاگ کر مسودہ میں ترمیمات کیں۔ کیونکہ دن میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ رات ہی کو کچھ وقت ملتا تھا۔ اب آپ اسے نہایت احتیاط سے صاف کرائیں۔ سمجھدار قسم کا کاتب ہوگا تو لکھ سکے گا۔ اور پھر مقابلہ کرایا جائے، تب کاتب کاپی نویس کے حوالہ کی جائے۔ نام اس کا " انسانی فضیلت کا راز" مناسب ہوگا یا جو آپ حضرات مناسب سمجھیں۔ دہلی روانہ ہونے میں صرف دو گھنٹے باقی ہیں اس لئے بعجلت عریضہ لکھ کر مع مسودہ کے رجسٹری ارسال ہے۔ سب سے سلام۔ امید ہے دیوبند مطلع فرماویں۔ والسلام ۱۶ ۔۱۱۔ ۵۸ھ

---

(۲۰) نحمدہٗ و نصلی　حضرت المحترم المعظم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ میں احقر کے سفر اکوڑہ خٹک کی تفصیلات دریافت فرمائی گئی ہیں۔ بجواب مکرمت نامہ عرض ہے کہ عرصہ سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہٗ مہتمم دارالعلوم حقانیہ یاد فرما رہے ہیں کہ میں اکوڑہ کے اس دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں شرکت کروں۔ دیوبند بھی مولانا کے کئی والا نامے پہنچے۔ بندہ نے بھی بشرط حاضری پاکستان وعدہ کر رکھا تھا۔ کہ ضرور حاضری کی سعادت حاصل کروں گا۔ چنانچہ کراچی پہنچتے ہی احقر نے اطلاع دی۔ مگر دارالعلوم کا جلسہ یکم نومبر ۱۹۵۸ء کو طے شدہ تھا جس کا

دیکر بہ اصطلاحات میں اسی نام سے شائع کیا۔ بعد میں لاہور کے ایک مکتبہ نے بھی　نام تعارف وغیرہ سب حذف و تبدیل کر کے اسے انسانیت کی امتیاز کے نام سے شائع کیا۔　۵ لاہور میں۔

۵ احقر راقم الحروف　۶ مولانا محمد سالم صاحب کیلئے　۷ اگلے صفحہ پر " " ۵

اخبارات میں اعلان بھی شائع ہو چکا تھا۔ ان تاریخوں میں میری شرکت کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کہ میں ۱۲؍ اکتوبر کا دن وہاں گزار سکوں۔ حضرت مولانا نے بکمال عنایت جلسہ کی شائع شدہ تاریخوں کو منسوخ کر کے جلسہ کی تاریخیں ۲۱، ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء رکھیں۔ اور دوبارہ اعلانات جاری کئے۔ چنانچہ احقر ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو شب میں اکوڑہ پہنچا۔ اسٹیشن پر دار العلوم حقانیہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ موجود تھے۔ انتہائی محبت و خلوص سے خیر مقدم فرمایا۔ اور میں دار العلوم کی نو تعمیر شدہ عمارت میں فروکش ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ حسب دعوت نامہ حضرت مولانا عبد الحق صاحب کی طرف سے پہنچا تھا۔ تو قیام دار العلوم ہی میں ہو سکتا تھا۔ کہیں اور ٹھہرنے کی کوئی معنے ہی نہ تھے۔ اکوڑہ کی حاضری کا مقصد بھی محض دار العلوم ہی کے جلسہ کی شرکت تھی۔ تقریباً چوبیس گھنٹہ قیام رہا۔ اور یہ مدت دار العلوم ہی میں گزری۔ ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو شب کے اجلاس میں حسب پروگرام شرکت ہوئی۔ اس نشست میں دار العلوم کے تقریباً ۳۷ فارغ شدہ فضلاء کی دستار بندی ہوئی۔ وہ احقر کے ہاتھوں عمل میں آئی دستار بندی کے بعد تقریباً تین گھنٹہ احقر کی تقریر ہوئی۔ جسے دار العلوم کے فضلاء نے قلمبند کیا۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب نے تقریر کا یہ مسودہ آدمی کے ہاتھ میرے پاس لاہور بھیجا ہے۔ تاکہ احقر اس پر نظر ڈال کر اس میں ضروری ترمیم و اصلاح کر لے۔ دار العلوم اس کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بہر حال اکوڑہ کی حاضری صرف دار العلوم حقانیہ کے جلسہ کے لئے ہوئی۔ اس کی دعوت پہ ہوئی۔ اور اس میں چوبیس گھنٹہ قیام رہا۔ اور اس کے پروگراموں میں پورا وقت صرف ہوا۔ اس دوران میں مولانا ...... نے جامعہ میں حاضری کیلئے کئی بار فرمایا۔ مگر وقت نہیں تھا۔ اس لئے معذرت کرتا رہا۔ لیکن پیہم اصرار پر اتنا عرض کر سکا۔ کہ واپسی میں روانگی کے وقت اسٹیشن جاتے ہوئے پانچ منٹ کے لئے جامعہ کی عمارت میں اتر کر دعا میں شرکت کر دوں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ چونکہ واپسی کے وقت اسٹیشن کے راستہ میں جامعہ کی عمارت پڑتی تھی۔ احقر اترا۔ جامعہ کے حضرات اساتذہ و طلبہ نے خیر مقدم فرمایا ـــــ اور

---

* یہ خط مشہور عالم اور مجاہد جنگ آزادی مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی مرحوم کے نام لکھا گیا ہے۔ پچھلے خط میں حضرت کی آمد دار العلوم حقانیہ کا ذکر آیا ہے ان کے واپس جانے پر ایک مقامی مدرسہ نے حسب معمول قاری صاحب مدظلہ کی رپورٹنگ ایسے انداز میں کی کہ سب کچھ اپنے کھاتہ میں بلا وجہ ڈالنے کی سعی کی گئی تھی۔ مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی مرحوم بھی جلسہ دستار بندی میں حسب معمول شریک تھے انہوں نے اخبارات میں یہ غلط رپورٹنگ پڑھی۔ اور قلبی تعلق و محبت کی بنا پر اس کی وضاحت قاری صاحب مدظلہ ہی سے کروائی۔ یہ خط ترجمان اسلام میں بھی شائع کروایا۔ اور پھر اصل خط کو بعینہ مکتوب ذیل کے ساتھ ناچیز کے نام ارسال فرمایا۔

سپاسنامہ بھی پیش فرمایا تھیں کے جواب میں پانچ چھ منٹ میں احقر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے نصیحت کے طور پر چند کلمات بھی عرض کئے اور اسی وقت اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ جہاں دارالعلوم کے ذمہ دار اکابر پہلے سے موجود تھے۔ اس طرح یہ سفر پورا ہوا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام۔ ۱۹/۲۷ھ

برخوردار طال عمرہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے ہر طرح خیریت سے ہونگے۔ روانگی کے وقت اسٹیشن پر جو وعدہ کیا تھا، یاد ہوگا۔ لیکن ایفاء کی توفیق نہ ہوئی۔ جامعہ اسلامیہ والوں کا کارنامہ ملاحظہ کرلیا دارالعلوم اسلامیہ الاہور کی خصوصی دعوت پر جانا ہوا۔ تو ترجمان اسلام کا وہ پرچہ ساتھ لیا گیا۔ قاری طیب صاحب۔ دامت فیوضہم کو دکھایا تو حیران ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا تدارک ضروری ہے۔ فرمایا کیا صورت ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں چند سوالات لکھتا ہوں۔ آپ اس کا جواب تحریر فرما دیں۔ تو کسی اخبار کو روانہ کر دیا جائے گا۔ آپ نے اس کو پسند فرمایا چنانچہ آپ نے جواب مرحمت فرما دیا۔ جو کہ سوال و جواب کی شکل میں ترجمان اسلام میں مطبع الحق کے فرضی نام سے شائع کرا دیا گیا ہے۔ اصلی جواب میرے نام مرحمت فرمایا ہے۔ جو کہ بغرض زیارت آپ کو روانہ کر رہا ہوں۔ اپنے والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں پیش کریں۔ اور میرا سلام بھی عرض کر دیں۔ اور دعائی درخواست بھی پیش کریں۔ اور اپنی خیریت اور دیگر ضروری حالات سے مطلع فرماتے رہیں۔ آپ کو لکھنے کی عادت ہو جائے گی۔ اس جواب پر جامعہ سلامیہ والوں کے تاثرات بھی ضرور تحریر فرما دیں۔ فرضی نہ ہوں، واقعی ہوں، آپ کے نہ ہوں، بلکہ ان کے ہوں۔

واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

بندہ محمد نعیم عفی عنہ

خطیب جامع مسجد

منڈی بہاؤالدین ——— ۲۸/۱۱ھ

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر کے نام

افکار و تاثرات

فتنۂ قادیانیت | پاکستان اسمبلی میں ناموسِ رسول کی حفاظت پر حضرت شیخ الحدیث کی تقریریں سن کر دل خوش ہوتا ہے۔ اور آپ کی یاد میں دل تڑپ جاتا ہے۔ اگر حضرت اس سال دیار حبیب کا سفر کریں اور پھر برطانیہ کا دورہ کریں، تو دین اسلام اور ناموسِ رسول کی حفاظت پر کافی کام ہو جائے گا۔ لندن میں ظفر اللہ خان قادیانی دن رات اپنے شیطانی مذہب کی اشاعت کر رہا ہے۔ اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ضروری ہے۔

راؤ شمشیر علی انٹرنیشنل اسلامی مشن لندن برطانیہ۔

قادیانیت پنجاب کا گمراہ فرقہ، کفر کا منبع، ہنود و یہود کی دوسری شکل پاکستان کا داؤ پر لگا رہا ہے۔ ان کے خلاف منظم جدوجہد سے رائے عامہ ہموار کیجئے۔ ان کو تحفظ دینے والوں پر نظر رکھیں ان کے سیاسی عزائم کا پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ یہ گمراہ کس طرح حصول قادیان کے لئے کوشاں ہیں۔ انتشار و افتراق سے دور رہ کر کہ اس سے مرزائیوں اور کمیونسٹوں کو فائدہ پہنچے گا۔

رحمانی۔ ایم اے۔ کراچی۔

اسمبلی کی کاروائی | ربیع الاول کا سارا رسالہ اسمبلی کی کاروائی سے بھرا ہوا ہے۔ جو کہ اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکی ہے۔ الحق میں اکابر دیوبند کی سوانح حیات ضرور ہونی چاہئے۔ جس کو پڑھ کر ایمان تازہ ہوں۔ دوسرے درجہ پر اسلامی ممالک کے حالات۔

حکیم محمد علی فاروق گنج، گوجرانوالہ

قادیانیت | فتنۂ قادیانیت فتنہ ہی نہیں مستقل تحریک ہے، مسلمانوں سے جداگانہ مذہب ہے جسکی ریشہ دوانیوں نے ملک کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ حکومت یا تو خواب غفلت میں ہے۔ یا کسی حکمت عملی پر گامزن ہے۔ تمام مسلمانان عالم خصوصاً رابطۂ عالم اسلامی کو اسی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔ عالیجاہ ایبے عجمی امرائیل

ملک وملت کے لئے ناسور ہے۔ اس کا اپریشن کریں۔ خداوند کریم ہماشتہ پیش ہونے کیلئے یہی کافی ہے۔ خدا آپ کو اور توفیق بخشے۔

محمد سلیم اختر۔ بیفیہ سٹ

ہمارے علاقے میں مرزائیوں کا زور ہے۔ الحق میں اس تحریک کے خلاف کافی مواد موجود ہوتا ہے اور اس فرقہ کی کمزوریوں پر منظر عام پر لاتا ہے۔ اکثر حضرات نے اسے بہت پسند کیا۔

محمد عالم چک ۳۳ جنوبی سرگودھا۔

علامہ اقبال | ستمبر کا الحق نہایت ایمان افروز اور معلوماتی مضامین کا حامل ہے۔ خصوصاً اسلام جوڑتا ہے توڑتا نہیں، اسلام میں ارتداد کی سزا اور بنک کا منافع رہا ہے۔ اس پرچہ میں اقبال کو قابل فخر سپوت اور اسلام کا اول و آخر شیدائی بتایا گیا ہے۔ آپ کو وہ زمانہ یاد ہوگا کہ انہیں کافر قرار دیا گیا تھا اور اب یہ حالت کہ علماء سٹیج پر اقبال کے دو تین شعر نہ پڑھ لیں تو تقریر کا مزہ ہی غائب سمجھا جاتا ہے۔

ظہیر احمد ۔ بہ ۔ بیدالا

کوئی اور لفظ تجویز کیا جائے | مضمون "اسلام جوڑتا ہے" میں قوم لوط کے عمل ہم جنسی کی تعبیر جیسا کہ عام طور پر معروف ہے۔ لواطت سے کی گئی ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم جو فعل بد کرتی تھی اسے قوم لوط کا فعل کہنا چاہئے، کہ حضرت لوطؑ کی ذات کی طرف نسبت اس کے۔ لئے اردو، عربی، فارسی وغیرہ زبانوں سے کوئی بھی لفظ تجویز کر کے استعمال کرنا چاہئے۔ ورنہ میرے خیال میں یہ گناہ عظیم ہے۔

(احمد جان خان۔ خواجکزئی۔ ڈی۔آئی خان)

مفید مشورے | الحق میں اسلام میں مرتد کی سزا پر مولانا عبدالشکور ترمذی کا جوابی مضمون نہایت موزوں جامع اور اہم ہے۔ اس میں چند مزید اہم باتیں عرض کرتا ہوں۔ مناسب ہو تو اس مضمون کے ضمیمے کے طور پر شائع فرما دیں۔

(صاحبزادہ محمد حنیف اللہ صدیقی گمبٹ ضلع خیرپور میرس۔)

انقش آغاز وقت کی اہم ضروریات پر مبنی اور اسلام سے بھرپور ہوگا۔ عالمی طاقتوں (روس، برطانیہ، امریکہ اور اسرائیل وغیرہ) جو صیہونیت کی کٹھ پتلیاں ہیں کی نشاندہی میں بلند مقام رکھتا ہے۔ اللہ آپ کے

قلم کو سود و زیاں سے بے نیاز بر ابر حق گوئی دنیا کی علامت بنا دے۔ الحق میں اقبال جیسے مفکر اسلام کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ آپ کے حاشیہ نقش آغاز کے آخر یا درمیان میں ان کا یہ شعر کتنا موزوں ہوتا ہے

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق ۔۔۔ ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

عربی الفاظ پر اعراب اور تثقیل اردو سے احتراز ضروری ہے۔ عربی سے ناواقف کیلئے ایسے الفاظ کا صحیح تلفظ مشکل ہے۔ قیام اسرائیل ۔ الخ اور حاجی صاحب ترنگزئی جیسے مضامین کا ہر لحاظ سے ہونا ضروری ہے۔ قادیانیوں کے رسائل اور لٹریچر کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ خواتین کے لئے بہت کم مواد ہوتا ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ انگریزی الفاظ کو عام رسالوں کے برعکس واضح اور درست حروف میں لکھا جاتا ہے۔ دلائل نبوی کو مستقل جگہ دی جائے۔ (محمد طارق لطیف ایم اے ۔ صوبائی سیکرٹریٹ ۔ پشاور)

عربی جدید زبانوں کے آئینہ میں شمارہ نومبر میں جناب منظر عباسی کا مضمون جدید زبانوں کے عربی ماخذ بڑا معلوماتی ہے۔ موصوف کی علمی تحقیق قابل صد ستائش ہے۔ مگر انہوں نے مضمون کی ابتداء شاید درمیان سے شروع کی ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو انگلش کی اے، بی، سی کی ترتیب بھی عربی زبان کی ابجد سے مستعار لی گئی ہے۔ بس معمولی تغیر و تبدل ہے۔ مثلاً ابجد اے بی سی ۔ ڈی ۔ ہوز میں واؤ زیڈ ۔ اور بعض تو بالکل ہی ہو بہو عربی سے نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً کلمن کے ۔ ایل ۔ ایم ۔ این ۔ قرشت کیو آر ایس ۔ ٹی۔ اس موضوع پر مزید ریسرچ ہو تو عربی زبان کی وسعت و ہمہ گیری نکھر کر سامنے آجائے گی۔ مذہبی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات قرین قیاس ہے کہ جب حقیقی زندگی (بعد از مرگ) کا دور ہوگا۔ تو ساری کی زبان بھی عربی ہوگی۔ اس موضوع پر مزید تحقیق اہل دنیا کی نظروں میں عربی کا صحیح مقام متعین کرے گی اور اس تحریک کو بھی تقویت کہ ہماری قومی زبان اپنی وسعت کے لحاظ سے عربی ہی ہونی چاہیئے۔ (عزیز الرحمان فیروزہ رحیم یار خان)

جذبہ تحقیق میرا معمول بہ تعمیل "بلغ ما انزل الیک" ہمیشہ سے یہ ہے کہ جن مسائل پر علماء کو بھی توجہ نہیں انہیں حسب توفیق ظاہر کروں اور قل الحق ولو کان مرا پر بھی عمل کروں چنانچہ میں عرصہ سال قبل اپنے ایک رسالہ اظہار حق میں اور اخبار النجم میں یہ لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین کو سید الشہداء کہنا جائز نہیں۔ اور یہ حضرت اقدس مرشدی و مولائی و استاذی مولانا تھانوی سے میرا تحریری مناظرہ بھی ہوا۔ حضرت اقدس کا اخلاق استدلال یہ تھا کہ جب انکی شان میں سید شباب اہل الجنۃ وارد ہے۔ اور شباب میں شہداء بھی ہیں تو ان کے سید الشہداء ہونے میں کیا شک رہا ہے۔ اس پر عرض کیا کہ شباب میں تو انبیاء بھی ہوں گے تو پھر یہ سید الانبیاء بھی ہوئے

اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ تحریر فرمایا کہ اسکا قریب تر جواب یہی ممکن ہے۔ اسی طرح ابن منصور کی ولایت پر ایک ملفوظ فرمایا۔ میں نے بحوالہ تاریخ اس کا ملحد ہونا ظاہر کیا تو مجھ سے اصل مواد طلب فرما کر ملاحظہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے بعد وفات بیان القرآن کی بعض صریح غلطیوں پر ایک مضمون لکھا جسے مفتی صاحب کے البلاغ میں شائع کر دیا گیا۔ اسی طرح میں نے یہ بھی لکھا ہے۔ اور جو شائع ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کہنا بچند وجوہ محل نظر ہے۔

۱۔ اوّل تو خود اس کا راوی شک کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے یہ فرمایا۔ یا یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیونکہ صدمۂ فراق کا تدارک وصال سے ہوتا ہے نہ کہ دوسرے عطیات سے۔ پھر یہ مستثنیٰ کا حد من النساء کے بھی معارض ہے۔ اور حضرت خدیجہ و عائشہ کی قطعی فضیلت کے بھی خلاف ہے۔ اسی طرح ظہور مہدی کا مسئلہ ہے۔ جو ہم نے قدرے اصلاح و ترمیم کے ساتھ روافض سے حاصل کیا ہے۔ بہرحال میں نے اب تک سینکڑوں مضامین اہل باطل اور غلط فہمی میں مبتلا ہونے والوں کے خلاف لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

میں نے ایک مرتبہ "معاویہ بن ابی سفیان" پر ایک طویل رسالہ لکھا جب وہ شائع ہوا تو مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم نے بڑے سنگین الفاظ میں اسے ناپسند فرمایا۔ کیونکہ اس میں حضرت علی و حضرت معاویہ کی جنگ پر عقل و نقل کے مطابق مدلل تبصرہ ہے۔ برخلاف موصوف الصدر کے استاذی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مرحوم نے یہ فرمایا کہ تمہاری نجات کیلئے یہی رسالہ کافی ہے۔ بہرحال اسی قسم کے مسائل اب بھی میرے ذہن میں مگر اشاعت کا موقع نہیں اس لئے میں اسی سے تسکین حاصل کر لیتا ہوں کہ انلزمکموها وانتم لها کارهون۔

احمد عبدالحلیم کانپوری۔ کراچی ۲۹

<u>کرنل قذافی کے نام</u> | اسلام کے مرد مجاہد کرنل قذافی آپ کا وجود روشنی کی کرن ہے۔ جس سے باطل کی ظلمتیں کانپ رہی ہیں۔ آپ کی صلابت، گویا مرد مومن کی حقیقی نشان ہے، ضرورت ہے۔ کہ باطن کی ترطیب ظاہر میں بھی جلوہ گر ہو گیا ہی اچھا ہو۔ آپ سید المجاہدین فخر دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نہ صرف خود داڑھی رکھیں۔ اور ٹھیٹھ اسلامی وضع قطع اختیار کر کے مغربی تہذیب کے برزخ کو ٹھکرا دیں۔ بلکہ تمام سربراہان عالم اسلام کو بھی ترغیب دلائیں۔ اس طرح اللہ کی نصرت کے فرشتے امت کی مدد پر مامور ہوں گے۔

(عبدالحکیم ۲۳ب۔ ایوان صنعت و تجارت۔ کراچی)

تعارف و تبصرۂ کتب

سمیع الحق
اختر راہی

بیان السنۃ مرتب مولانا عبدالحمید سواتی۔ ناشر۔ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
عقائد کے بارہ میں امام ابوجعفر طحاوی کے مشہور کتاب عقیدۃ الطحاوی کا ترجمہ عربی متن کے ساتھ مولانا عبدالحمید صاحب سواتی کے قلم سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا رسالہ العقیدۃ الحسنۃ بھی مولانا کے ترجمے کے ساتھ شامل کتاب ہے۔ صفحات ۹۰۔ قیمت ۲/۵۰ روپیہ۔

الفقہ الاکبر امام اعظم ابوحنیفہ کی تصنیف مع اردو ترجمہ از مولانا عبدالحمید سواتی۔ قیمت ۵۰ پیسے صفحات ۴۸۔ اہل علم کے لئے نہایت مفید ہے۔ پتہ سابقہ

سوانح قاری فضل کریم قاری فیوض الرحمان ایم اے۔ صفحات ۱۲۸ قیمت ۲/۵۰ روپیہ۔
ناشر۔ مجلس ابنائے قدیم مدرسہ تجوید القرآن۔ کوچہ کندیگران لاہور۔ لاہور کے مشہور مجوّد اور قاری کا تذکرہ ان کے ایک ہونہار شاگرد کے قلم سے۔

سکرات سے قبر تک مولانا غلام محمد۔ کراچی۔ صفحات ۳۲۔ ناشر۔ کریم کمرشل کمپنی ۲/۱ نیو میمن مسجد کراچی ملا۔ میت، غسل، کفن، جنازہ، قبر، تدفین وغیرہ کے بارے میں سنت کے طور طریقے جن کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری۔ غالباً مصنف طلب کیا جا سکتا ہے۔

اہل حدیث کی نمایاں شخصیات از منیر احمد ایم اے۔ شائع کردہ۔ جامعہ سلفیہ لائل پور۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت ۵۰ پیسے۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ البتہ شاہ اسماعیل شہید کو اس میں شامل کرنے میں بحث کی گنجائش ہے۔ اور خود ان کے اعترافات ان کے غیر مقلد ہونے کی تردید میں موجود ہیں۔

اسلام کا تصور قانون پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے۔ ناشر۔ سابقہ۔ صفحات ۱۱۔ قیمت نامعلوم۔
اس میں اسلام کے تصور قانون کے بعض مآخذ اور زاویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

قادیانیت اور عدالتی فیصلہ قادیانیوں کے نام چوہدری محمد نسیم سول جج رحیم یار خان کا حکم امتناعی کہ مرزائی سنی آبادی میں اپنا مرکز یا اپنی کوئی مسجد قائم نہیں کر سکتے۔ یہ فیصلہ قادیانیوں کے ایک اقلیتی جماعت